

نومبرن شادی

حیاتِ بخاری



حیا بخاری کے مشاق قلم سے نکلی ایک خوبصورت تحریر جو فیس بک پیج اور کتاب گھر پر آن لائن پیش کی جا رہی ہے.....

تومن شدی

حیا بخاری

نوٹ:-

اس ناول کے جملہ حقوق بنام کتاب گھر (<http://kitaabghar.com>) محفوظ ہیں۔ لہذا اس تحریر کی کسی بھی رسالے، ڈائجسٹ، میگزین، ویب سائٹ، سیل فون ایپ یا انٹرنیٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا خلاف قانون ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی کارروائی کا سامنا اور بھاری جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

قسط نمبر 1

پورے چار سال بعد اس نے اس سڑک پر قدم دھرے تھے.....

چار سال پہلے متاع حیات اسی جگہ لٹانے کے بعد اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا..... یہاں اس کے لیے بچا ہی کیا.....؟؟

خون.....

سسکیاں.....

کر لاتی ہوئیں آپیں.....

خون آلودیا دیں.....

اور اس نے خون سے لپٹی اپنی زندگی سے وعدہ بھی تو یہی کیا تھا.....

وہ پھر کبھی مڑ کے نہیں دیکھے گی.....

کم از کم روتے ہوئے تو ہرگز نہیں.....

وہ اس کے لئے روئے گی نہیں.....

وہ جانتی تھی کہ وہ زندہ تھا.....

اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے سارے خواب تعبیر کر کے اس کا نام بھی ہمیشہ زندہ رکھے گی.....

چار سال بعد بھی منظر وہی پرانا تھا.....

پاک وردی میں مستعد جوان اپنی پوزیشنز سنبھالے کھڑے تھے۔

کیمبرے ہاتھوں میں ادھر اُدھر ہر منظر قید کر لینے کے خواہش مند کیمبرہ مین اور مائیک تھامے رپورٹرز ہر کسی کے منہ سے نہ جانے

کیا کیا درد سننے کو بے تاب ہوئے جاتے تھے..... اس روز بھی اس نے ان سب کو نظر انداز کیا.....

”میم..... کیا آپ نے بھی اس حادثے میں کسی کو کھویا ہے۔؟“ کسی کوریٹنگ کی فکر تھی..... احساسات کی قبر پہ لات مارتا وہ

اس کو مل سی لڑکی کی زخمی روح پہ نمک چھڑک کے بھی اپنے کام میں مصروف رہتا..... کیوں کہ انہیں درد محسوس نہیں کرنا ہوتا..... صرف درد

ریکارڈ کرنا ہوتا ہے..... کس کے ہاتھ کسی کا بڑے سے بڑا درد آجائے بس..... بریکنگ نیوز بن جائے..... لوگ بھاگ بھاگ کے چینل

آن کریں اور اس درد پہ دو آنسو بہا کے اٹھ جائیں..... تب وہ جا کے کچھ نیا تلاشیں۔۔

اگر انہیں احساس کرنے کا کہا جاتا نہ..... تو یقین کرو کوئی بھی اتنی بے دردی سے مرنے والوں کے ساتھ زندہ مر جانے والوں سے نہ پوچھتا..... اب آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟؟ کیا وہ آپ کو یاد آئے گا؟؟ کیا آپ ایسے بھول پاؤ گے؟؟؟

اور اس نے اس دن بھی سوچ لیا تھا..... کسی کو جواب نہیں دے گی۔۔ اور آج بھی اس نے یہی کیا تھا۔۔ کسی کو جواب دیئے بنائی وقار سے قدم بڑھاتی وہ ایک بار پھر آرمی پبلک سکول پشاور کے گیٹ کی طرف بڑھتی گئی تھی..... کامیابی کے بعد وہ اس جگہ صرف بتانے آئی تھی..... ایک ایسے لڑکے کا نام جو ان شہداء میں سے تھا۔ جن کے نام کہیں دب سے گئے تھے.....

جنہیں لوگ نہیں جان سکے تھے یا جو شہادت کا جام پی کر بھی پس منظر میں چلے گئے تھے..... اس نے اس کا وعدہ نبھا دیا تھا..... اب اسے دنیا کو بھی بتانا تھا..... سدیس امان اس کا پیار ابھائی کون تھا..... اس کے خواب کیا تھے۔؟؟ اور وہ مر کر بھی زندہ تھا.....

☆.....☆.....☆

چاند کی آخری راتیں تھیں تبھی اندھیرا بھی کچھ زیادہ تھا..... ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہیں دے رہا تھا..... اوپر سے شام کو ہونے والی بارش سے ہر طرف کچڑ ہی کچڑ تھا..... اسے چلنے میں بھی دشواری ہو رہی تھی..... سردی کی لہریں الگ تن میں گھسی جا رہی تھیں۔ لیکن اسے جیسے کوئی پرواہ ہی نہیں تھی..... اگر اس وقت اسے کوئی اس حال میں دیکھ لیتا تو اسے دیوانہ ہی سمجھتا۔۔ اور وہ دیوانہ ہی تو تھا.....

بے خوف، نڈر، مضبوط اور بے پرواہ.....

وہ جب سب سوتے ہیں

تو وہ جاگتے ہیں.....

وہ کہ جب سب سکون سے پارٹیاں کرتے ہیں

ہنستے ہیں تو یہ ایسے ہی کہیں جان روک

دیتے ہیں.....

وہ کہ جب سب کو عید پہ گھر جانے کی

فکر ہوتی ہے انہیں یہ فکر ہوتی ہے کہ سب

امن سے عید منالیں ان کی عید ان کی فیملی

کی خیر ہے.....

جذبہ کسی بھی کمزوری سے انسان کی طاقت

بن جاتا ہے..... تاریخ گواہ ہے جذبہ ہی ہے
جس نے ہر طاقت، ہتھیار اور تعداد کو بہت
آسانی سے شکست دی ہے..... اور جذبہ تو
ایک نعمت ہے۔ اور نعمت صرف اللہ پاک نواز تے
ہیں اور وہ ان خوش قسمتوں میں سے تھا جسے
اللہ پاک نے اس نعمت سے نوازا تھا.....
اور جذبہ سب کچھ بھلا دیتا ہے.....
راستے کی مشکلیں، تکلیفیں، درد
یاد رہتا ہے تو صرف مقصد.....
تبھی تو۔۔

اس وقت ہر طرح کی تکلیف سے بے نیاز وہ
بڑھتا چلا جا رہا تھا..... مستعد..... ہوشیار.....

☆.....☆.....☆

کہر زدہ صبح اتری تھی پشاوڑ پہ..... سردی شدید تھی۔۔۔۔۔ آج تو کچھ زیادہ ہی شدید تھی..... نہ جانے کیوں ہر سودا سی سی چھاتی محسوس
ہو رہی تھی..... دل کی حالت بھی عجیب سی ہو رہی تھی..... ناشتہ بناتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے کچن کی کھلی کھڑکی میں آٹھہری..... سردی
گرمی کوئی بھی رت ہوتی اسے اس کھلی کھڑکی کے سامنے ہی کام کرنا پسند رہا تھا۔ اس نے سامنے نگاہ کی..... لان میں سب پودوں پہ خزاں
اپنی اجاڑ سانسیں پھونک چکی تھی۔۔۔۔۔ پتہ پتہ بے جان سا پڑا اپنی حالت پہ نوحہ کناں تھا..... اس نے کچھ دیر وہاں لمبی سانسیں لے لے کے
خود کو ہمیشہ کی طرح سکون دینا چاہا لیکن اسے لگا موت کی سردی اس کے اندر جانے لگی تھی..... اس کا دل مزید خراب ہونے لگا تھا۔ کچھ تو تھا
جو کہیں قریب تھا مگر کیا۔۔۔۔۔ اس نے پریشان ہوتے ہوئے کھڑکی بند کر دی تھی.....

”یا اللہ خیر۔۔“ اس نے دل سے دعا کی۔ ناشتہ وہیں چھوڑ کے باہر چلی آئی..... حاجی کے کمرے سے آتی تلاوت کی آواز پہ نہ
جانے کیوں اس کا دل بھرانے لگا..... آج صبح سے ہی اس کی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ سب کو ناشتہ کروانے کے بعد وہ اپنے لئے بھی
ناشتہ بنانے لگی تھی۔ لیکن سدیس کے جانے کے بعد سے نہ جانے کیوں اس کا دل گھبرا رہا تھا عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی..... وہ اندر سدیس
کے کمرے میں آگئی..... دھیمی آواز میں ٹی وی آن تھا..... آرمی ڈے سے متعلق کوئی ویڈیو چل رہی تھی وہ اداسی سے مسکرا دی..... سدیس

ہاسپٹل چیک کریں..... کافی casualties ہوئی ہیں..... اللہ پاک آپ کی مدد کرے۔“ اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے عرف کو تسلی دی تھی جواب تک بت بنی زمین کو دیکھ رہی تھی..... خود وہ جو کچھ دیکھ چکا تھا..... اسے اپنے آپ پہ ضبط کرنا مشکل پڑ رہا تھا..... مگر وہ جانتا تھا ان سب کو تحمل اور صبر سے یہ وقت بھی فیس کرنا تھا.....

اس کی آخری بات پہ عرف نے تڑپ کے اسے دیکھا تھا۔ رنگ بدلتی کھر زدہ سی آنکھیں اس کا دل چیر گئیں تھیں..... عارفین شاہ کو اس کی آنکھوں میں رقم درد اپنی سانسوں میں گھلتا محسوس ہوا تھا..... اسے لگا اگر وہ کچھ دیر مزید اس کی آنکھوں میں دیکھے گا تو درد سے اس کا سینہ پھٹ جائے گا۔ وہ بے اختیار پلٹ گیا تھا۔ اور عرف کے پاؤں لرزنے لگے تھے..... وہ ابھی تک تو اسی خیال میں دوڑی چلی آئی تھی کہ کچھ بھی ہو وہ اپنے پیارے بھائی کو بچالے گی۔ لیکن اب..... اسے لگ رہا تھا وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا..... کچھ بھی.....

سوچ کے ہی اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں..... لیکن اچھا بھی تو ہو سکتا ہے۔؟؟ اس کے دل نے ہمت پکڑی..... اسے پھر آگے بڑھنے کا حوصلہ ملا تھا۔ اس بار اس کے قدم دوسری طرف سے جانے والی سڑک پر تھے..... یہاں لوگوں کا رش مزید بڑھ گیا تھا..... بچے ریسکیو کر کے ماں باپ کے حوالے کئے جا رہے تھے..... اور خون میں لت پت بچوں کو جلدی سے ہسپتال منتقل کیا جا رہا تھا..... اس نے تیزی سے آگے بڑھ کے ایمبولینس میں ایک دوسری کے اوپر لٹائے گئے بچوں میں کسی کو کھوجنے کی کوشش کی۔

”ہٹو بی بی۔“ ڈرائیور کافی تیزی میں تھا۔

”میرا بھائی۔“ بس اتنا کہہ سکی

”بی بی ہاسپٹل آ کے دیکھ لینا ابھی جلدی جانا ہے۔ اللہ کرے کسی ناکسی کی جان بچ جائے۔“ اس کی بات پہ وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہوئی تھی۔ بچوں کا خون واقعی بہت زیادہ بہہ چکا تھا..... انہیں جلد از جلد ٹریمنٹ کی ضرورت تھی۔ اور دیر نہیں کی جاسکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

سدیس کیا گیا تھا اس کی تو کائنات ہی تھم گئی تھی۔ داجی تو اس دن اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈتے رہے تھے۔ وہ تو پڑوسیوں نے سکول پہ حملے کا بتایا تو انہیں یقین ہو گیا ہے کہ عرف بھی وہیں ہی گئی تھی۔ اور پھر دو گھنٹوں کی انتھک کوششوں کے بعد وہ ملی بھی تو LRH کے وارڈ کے بیڈ پہ بے ہوش پڑی..... سدیس کی لاش بھی وہ پہچان چکے تھے۔ اور پھر ہوش میں آنے کے بعد عرف نے وہ چپ پکڑی تھی کہ سدیس کی موت کے صدمے پہ عرف کی زندگی کا ڈر غالب آنے لگا تھا۔ داجی نے کسی بھی چینل کو انٹرویو دینے سے صاف منع کر دیا تھا۔ اور نہ ہی شہداء کے لیے کسی تقریب میں گئے تھے۔ عرف اور وہ اب زیادہ تر گھر پہ ہی رہنے لگے تھے۔ عرف سارا دن سدیس کے کمرے میں گزرتی۔ اسکی ایک ایک چیز کو چھوتی۔ اس کے کپڑوں سے اسکی خوشبو اسے عرف کے سامنے جیسے زندہ کر دیتی۔

رات کو نیند نہ آتی تو وہ اس کی ڈائری پڑھتی۔۔

"یا اللہ، تیری دنیا میں اتنی تفریق کیوں، کل جب میں دوستوں کے ساتھ ہوٹل میں موج مستی کر رہا تھا تو کس قدر نو عمر لڑکا صرف ایک گلاس ٹوٹنے پہ مالک سے مار کھا رہا تھا۔۔ میں نے اسی وقت عہد کیا تھا یا رب میں بڑا ہو کے چاہے کچھ بھی بنوں مگر بابا کی زمینوں پہ بڑا سا سکول بناؤں گا۔۔ جہاں اس بچے جیسے غریب لوگ ہماری طرح اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے"

وہ کس قدر حساس تھا۔۔۔ کتنے پیارے خواب سمجھاتا تھا۔۔۔ وہ غم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

"میں بھی تم سے وعدہ کرتی ہوں سدلیں۔۔ تمہارے سارے خواب میں پورے کروں گی۔۔ تمہارے نام سے ہی تمہارا سکول بنے گا اور وہاں سب کو ایک جیسے معیار ہی ملے گا۔۔ یہ تمہاری آپنی کا تم سے وعدہ ہے"

اس نے لب ڈائری کے کور پہ لگی سدلیں کی مسکراتی تصویر پر رکھ دئے تھے.....

باہر دسمبر کی ایک اور سرد رات بارش میں بھگینے لگی تھی۔۔ کچھ دور اپنے کمرے میں لیٹا ضعیف وجود بھی بے آواز نکیہ بھگور رہا تھا.....

پہلے ایک حادثے میں بیٹا بھوکھوئے تھے اور اب پوتا..... دکھ بالکل ایک جیسا ہی تھا۔ دونوں بارو یسی ہی تکلیف ہوئی تھی۔۔ لیکن اس بار پریشانی ذرا زیادہ تھی۔۔ "وہ عرف کو خوار کرنے اب ضرور آئے گا" انہوں نے کرب سے سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

بنوں ٹاؤن شپ پہ اترنے والی دسمبر کی آخری صبح کھڑا آلود تھی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تھا۔ سب کچھ نرم، نرم دھند نے اوجھل کر رکھا تھا۔۔ اس نے کھڑکی کے گیلے پڑتے بخ شیشے پہ ذرا دیر ہاتھ رکھا تھا۔۔ کسی کا نرم گرم لمس اس کے ہاتھ پہ جاگ اٹھا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ وہ اس قدر دور ہو کر بھی کس قدر قریب ہوا کرتا تھا۔ اس نے پردہ برابر کیا اور گرم لحاف میں نیند کی آغوش میں گم بچوں پہ نگاہ کرتی باہر پکچن میں آگئی.....

اپنے لیے چائے بنا کر اس نے ٹرے میں دو کپ رکھے۔ دونوں میں چائے انڈیلی اور ٹرے لیے باہر ٹیرس پہ آگئی..... اسے چائے کی عادت اسی سے تو ملی تھی۔ اس کے لیے بار بار چائے بناتے وہ ہمیشہ ذرا سا گھونٹ چکھ لیتی کہ سب ٹھیک تو ہے اور اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی جب گھونٹ گھونٹ لیتے وہ اس کے ساتھ چائے پینے لگی تھی۔۔ اور اب تو یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اب جب بھی وہ اسکے ساتھ نہیں ہوتا تھا تب بھی وہ دوہی کپ بنا کے لاتی اور ایک سپ ایک کپ سے لیتی دوسرا دوسرے سے..... اور اسے وہ یہیں کہیں قریب ہی محسوس ہوتا۔ گرم اون کی کوٹ کی جیب میں تھر تھراہٹ سی محسوس ہوتے ہی اس کے لبوں پہ جاندار مسکراہٹ چمکی تھی۔ اس نے جلدی سے سیل نکال کے کال پک کی تھی۔

"پپی اینیورسری خان" اس نے تیزی سے کہا تھا۔ دوسری طرف کسی کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"مجھے لگا تھا آج تم کال کرو گی" محبت بھرا شکوہ کیا گیا۔

"صبح سے آپ کو بھی یاد کر رہی ہوں۔۔ ہر طرف محسوس کر رہی ہوں"

اس کے ہونٹوں پہ شریکیں مسکراہٹ اسے اور حسین بنا گئی..... وہ اتنی دور سے بھی اس کے ہر ہر رنگ سے واقف تھا۔۔ تبھی سیل کان سے لگائے آنکھیں بند کیے اسے محسوس کئے گیا.....

"مجھے یقین تب آتا جب تم فون کر کے بتاتی کہ ہاں میں تمہیں یاد ہوں" وہ ناراض تھا..... سندرے کا دل بیٹھنے لگا۔

"آپ جانتے ہو خان میں آپ کو کبھی تنگ نہیں کرتی۔۔ پتہ ہی نہیں ہوتا اتنی دور آپ کس حال میں ہو۔۔ فارغ بھی ہو کہ نہیں" اس نے فوراً وضاحت دی۔۔

"ہاں مگر تمہیں تو کم از کم یہ خوف نہیں ہونا چاہیے۔۔ تم تو میری بیوی ہو یا ر" وہ بد مزہ ہوا تھا۔۔

"لیکن میں نہیں کر سکتی نہ" وہ رونے لگی تھی۔

اس بار دوسری طرف قہقہہ بے ساختہ تھا۔۔

"مذاق کر رہا ہوں یا ر" اس نے فوراً کہا تھا۔۔ کیونکہ وہ جانتا تھا وہ واقعی ابھی رو دیتی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس خوبصورت دن وہ اس کی آنکھوں میں آنسو لانے کا سبب بنے۔

"قسم سے آج تو دل کر رہاڑ کے گھر آ جاؤں..... لیکن۔۔"

"لیکن کیا خان؟" وہ سننے کو بے تاب تھی.....

"لیکن ممکن نہیں ہوگا..... تمہیں تو پتہ ہے ناں پشاور۔"

"کوئی بات نہیں خان" سندرے نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ میری فکر نہ کیا کریں میں ٹھیک ہوں۔۔ آپ مجھ سے دور تھوڑی ہوتے ہو"۔۔ اس نے سادہ سے لہجے میں اسے تسلی دی تھی۔

"سچ میں۔۔؟؟" اس کا لہجہ شریر ہوا

"کیا سچ میں؟؟" وہ حیران ہوئی

"میں کیا واقعی تمہارے قریب ہوتا ہوں" اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی اسے صاف محسوس ہوئی

"تو بہ خان" وہ واقعی شرمائی گئی تھی۔۔

خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔۔

"میں فون رکھ رہی ہوں" اس نے کال بند کرنا چاہی۔

”رکو“..... وہ چلایا
”جی“

”میری زندگی میں شامل ہونے کے لئے شکریہ“ اس نے دل سے کہا تھا اور کال بند کر دی تھی۔۔

وہ کتنے لمحے ان لفظوں کے سحر میں جکڑی وہیں نہری رہی تھی۔۔ دھند چھنے لگی تھی..... دن صاف ہو رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے چھٹی دھند کے پیچھے سے روشنی بکھیرتے سورج پہ نگاہ کی تھی اور دل ہی دل میں اپنے ہمسفر کے لیے دعا گو ہوئی تھی۔۔ انہیں ایک دوسرے سے جڑے چھ سال ہو گئے تھے..... اور ان چھ سالوں میں یہ قیمتی دن انہوں نے ہمیشہ ایک دوسرے سے دور رہ کر ہی گزارا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ ایک جان دو قالب کی مثال تھے..... یہ فاصلے ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی محبت ہجر و وصال کی زنجیروں سے آزاد تھی۔ اور ان کی زندگی صرف ان کے لئے نہیں بلکہ اوروں کے لئے بھی اہم ہے وہ دونوں ہی اس بات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ تبھی ایک دوسرے سے شکوہ شکایت نہیں بلکہ ایک دوسرے کا بازو بن جاتے تھے وہ..... اور یہی سب سے اہم کڑی تھی جو ان کے تعلق کو اس قدر فاصلوں کے باوجود مضبوط تر کر دیتی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب نامانوس سی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔۔ کچھ دیر تو وہ سن سی لیٹی جیسے اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کرتی رہی۔۔ اور جب سماعت مکمل بیدار ہوئی تو دروازے پر ہونے والی مسلسل دستک کی آواز نے اسے حقیقتاً پریشان کر دیا تھا۔۔۔ اس موسم میں۔۔ اتنی رات کو، اس کا دل بے اختیار سادھڑکا۔۔ سردی کی رات ویسے بھی طویل ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد سرد اور خاموش ہوتی ہے..... اور شاید اسی وجہ سے عام سادہ سی آواز بھی کافی ہیبت ناک معلوم ہوتی ہے۔۔ بالکل ایسا ہی اس وقت وہ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے تیزی سے اٹھ کر سامنے والی کھڑکی سے باہر جھانکا تھا۔۔ ٹیوب لائٹس کی تیز روشنی میں صحن کے منظر واضح تھا۔۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ موسم کافی خراب تھا اور ہلکی ہوا کے ساتھ ہونے والی موسلا دھار بارش عجیب سا شور مچا رہی تھی۔۔ گیٹ پہ مسلسل ہونے والی دستک تیز ہو چکی تھی۔

اس نے الماری سے بابا کی ننھی پٹل نکالی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے داجی کو بھی اپنے کمرے سے باہر آتے دیکھا تھا۔

”داجی۔۔“ وہ پریشان سی انکی طرف بڑھی

”ڈرومت۔۔ میں ہوں نہ انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے گھر کا اندرونی دروازہ کھولا۔۔ ہوا کا تیز جھونکا ان کو بھگوتا اندر آیا تھا۔

”کون ہے.....؟“ داجی کی نحیف سی آواز ہوا کے دوش پہ ہی سفر کرتی کہیں کھوسی گئی تھی

”کون ہے اس وقت؟ آواز دو“ اس بار عرف نے دھاڑتے ہوئے کہا تھا۔۔

مدت ہوئی اسنے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔ کبھی کبھی تو خود اسے اپنی یکدم سے بڑھتی دلیری پہ خوف آتا تھا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا۔ عورت کمزور ہی بھلی رہتی ہے ورنہ مذاق بن جاتی ہے..... اب پتہ نہیں یہ سچ تھا یا غلط مگر اسے اکثر یہ سوچ زچ کر دیتی تھی۔ اس کی آواز سن کر مسلسل ہوتی دستک ایک دم سے رک جاتی تھی۔ اور نہ جانے کیوں بارش بھی اسی دم تھمتھی تھی۔ ایک دم ہونے والے سناٹے نے اس کی دھڑکن بڑھا دی تھی۔

"ٹوک اسے بچیا" (کون ہو بچے)؟؟" داجی نے اس بار پکار کے پوچھا تھا "میں ہوں کا کا۔ سبز علی خان بھانجا عارفین شاہ مسعود"..... بھاری مردانہ آواز پہ وہ دونوں بری طرح چونکے تھے۔

سبز علی خان انکے دوست تھے۔۔۔ بھائی جیسے دوست..... ساری زندگی وہ دونوں ساتھ رہے تھے۔ بعد میں کچھ وجوہات کی بنا پہ سبز علی خان بنوں چلے گئے تھے..... اور پھر ان دونوں کے درمیان فاصلے باقی رہ گیا۔۔۔ جو ایک دوسرے کو خطوط لکھ کے وہ اکثر مٹاتے رہتے۔۔۔ بہو بیٹی کی موت کے بعد داجی کچھ ایسے مصروف ہوئے حیات آباد آ کے کہ یہ سلسلہ بھی ختم ہی ہو گیا۔۔۔ ایسے میں یوں اچانک ایک انجان نوجوان کے منہ سے ان کا نام سن کر انہوں زرا دیر بھی سوچنے میں نہیں لگائی تھی۔ فوراً اپنے گھر کے دروازے اس کے لیے وا کر دئے تھے۔۔۔ سردی میں مسلسل بارش میں بھیجنے کی وجہ سے اس مضبوط جسم والے نوجوان کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی..... لیکن پھر بھی اس کے جسم میں کپکپاہٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔۔۔ عرف کو اس کے مضبوط اعصاب اور ضبط پہ رشک آیا تھا۔۔۔ اس نے داجی کے کہنے پہ ان کا ایک گرم سوٹ اس کے لئے نکال دیا تھا۔۔۔ وہ جب کپڑے تبدیل کر کے آیا تب تک وہ اس کے لیے بھاپ اڑاتی چائے کے ساتھ گرم کباب بھی تیار کر کے لے آئی تھی۔۔۔ اس قدر اہتمام وہ بھی اس قدر جلدی..... عارفین کی آنکھوں میں ستائش ابھری..... اس نے داجی کے کمرے کا آتش دان بھی روشن کر دیا تھا۔۔۔ کچھ ہی دیر میں سردی کا احساس رخصت ہونے لگا تھا۔

"تم جا کے سو جاؤ۔ میں سامان رکھ دوں گا" اسے لکڑیوں سے کھیلتا دیکھ کے داجی نے پکارا وہ نفی میں سر ہلا گئی

"میں خود رکھ دوں گا۔ آپ پلیز جائیں اب آرام کریں" عارفین کو بھی خیال آیا

"میں ٹھیک ہوں۔ ویسے بھی اب مجھے نیند لیت ہی آئے گی۔۔۔" اس نے انکار کیا "سبز علی ہے کیسا۔؟" داجی نے پوچھا بات بدلتی دیکھ کے وہ دوبارہ لکڑیوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔۔۔

"کافی کمزور ہو گئے ہیں۔۔۔ چل پھر بھی نہیں سکتے۔۔۔ میری یہاں جا ب ہوئی تو انہوں نے کہا رہنے کے لیے آپ کے پاس چلا جاؤں۔۔۔ وہ بتا رہے تھے کہ آپ کو بھی ہمیشہ ایک نیک قابل اعتبار پیننگ گیٹ کی ضرورت رہتی ہے۔۔۔ اگر میرے لیے یہاں جگہ بنتی ہے تو ٹھیک ورنہ میں کل صبح ہی نکل جاؤں گا۔۔۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔۔۔

"لو۔۔۔ سبز علی خان کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کہیں اور رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے"

ان کی بات پہ عرف نے سر اٹھا کے ان کی طرف دیکھا تھا۔ اور عین اسی لمحے عارفین نے اس کی طرف..... اور اسے لگا تھا کہ وہ آنکھیں اس نے کہیں دیکھیں تھیں۔ ان ساحر جھیلوں میں وہ ایک دفعہ پہلے بھی خود کو کھو چکا تھا۔ لیکن کہاں۔۔۔ اس نے اپنے دماغ کو کھنگالا تھا۔ لیکن وہاں ایسی شبیہ تھی لیکن کوئی واضح شکل نہیں۔

"آج تم میرے ساتھ بیٹیں سو جاؤ کل عرف تمہارے لئے اوپر کا پورشن صاف کر دے گی۔ کیوں عرف؟" انہوں نے بات کی آخر میں عرف سے تائید چاہی۔۔

"جی داجی" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔ عارفین کے دل میں اس کی اجازت پا کے عجیب سی خوشی مچلی تھی۔ وہ خود بھی نہیں سمجھ سکا تھا اپنی کیفیت..... وہ چائے ختم کر چکا تھا۔ عرف اٹھ کر برتن سیٹنے لگی۔ عارفین نے اس کے نرم ہاتھوں سے نظریں ہٹاتے ہوئے دوسری طرف نگاہ کی تھی۔ پٹھان تھا۔ شرم و حیاء اسے وراثت میں ملی تھی۔

"داجی اب آپ لوگ بھی آرام کر لیں..... میں صبح آپ کو نماز کے لئے جگا دوں گی۔"

ان کو تاکید کرتی وہ برتن اٹھائے باہر نکل گئی۔

"چلو بھی آ جاؤ۔" جہازی سازز بستر پہ اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے وہ اسے بے حد معصوم لگے۔ وہ ان کے قریب ہی کمبل لے کے آنکھیں موند گیا۔

"تمہارے آنے سے مجھے بھی حوصلہ رہے۔"

کچھ دیر بعد اس نے داجی کی واضح بڑ بڑاہٹ سنی تھی۔ وہ شاید کچی نیند میں تھے۔ عارفین متوجہ ہو کر ان کو سننے کی کوشش کرنے لگا۔

"ورنہ سچ کہوں تو اب مجھے عرف کی طرف سے پریشانی رہنے لگی ہے۔ میں کمزور انسان اس کی حفاظت بھلا کہاں کر سکتا ہوں"

وہ فکر مند تھے۔ عارفین نے ان کا کمزور ہاتھ لیٹے لیٹے ہی تھام لیا۔

"آپ فکر نہ کریں داجی۔ میں ہوں نہ" اس نے تسلی دی تھی اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ اس بار چین سے سو گئے تھے۔ لیکن اب مسکراتے عارفین کو نیند تنہا چھوڑ کے نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح بے حد صاف اور نکھری سی تھی۔ سب کچھ دھلا دھلا سا تھا۔ اجلا اجلا۔ خون آشام دسمبر کے جاتے ہی جنوری جیسے سارے دھبے دھوئے آنکلی تھی۔ نئی امیدیں، نئے راستے لیے۔ وہ جو منزل ہی کھوپکی تھی اب نئے راستے، نئی منزلوں کو کھوجنا چاہتی تھی۔ ہوتا ہے نہ۔ زندگی جیسے لوگ بچھڑ بھی جاتے ہیں مگر زندگی نہیں بچھڑتی۔ ساتھ چمپی رہتی ہے۔ قدم سے قدم ملا کے چلنے پہ مجبور کر ہی دیتی ہے۔ اس نے بھی یہی سوچا تھا کہ زندگی اب کبھی سانس نہیں لے پائے گی۔ کبھی بھی وہ زندہ لوگوں کی طرح امید کا دامن

نہیں تھام سکے گی۔ لیکن زندگی نے خود بالآخر اس کے سامنے بھی جواز لا کھڑے کئے تھے۔ اس دن اتفاق سے سدیس کی پڑھی جانے والی ڈائری نے اس کے لیے کچھ نئی راہیں کھول دیں تھیں۔ اسے کچھ منزلوں کے نشان ملے تھے۔ وہ ان نشانوں کے ذریعے جلد از جلد منزل تک پہنچنا چاہتی تھی..... قبل اس سے کہ وقت سب نشان ضائع کر دیتا۔

اس نے داجی اور عارفین کا ناشتہ کمرے میں ہی پہنچا دیا تھا..... اور اوپر کا پورشن بھی کھول دیا تھا۔ یہ پورشن چونکہ زیادہ تر بند رہتا تھا تو زیادہ صفائی کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ دوپہر کے قریب وہ سب کاموں سے فارغ ہو چکی تھی۔

اس نے آج کچھ لوگوں سے ملنے کا پروگرام بنا رکھا تھا جو اس کے خیال کو عملی جامہ پہنانے میں اسے بہترین مشورہ دے سکتے تھے۔ سفید لباس پہ بڑی سی بلیک شال اوڑھے وہ پرس سنبھالتی داجی کو بتانے آئی تو عارفین بھی وہیں تھا ”سکول جارہی ہو۔؟؟ اس وقت؟“ داجی اسے تیار دیکھ کے حیرت سے بولے عارفین کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھیں اور فوراً ہی جھک گئیں۔

”نہیں داجی۔ ابھی کچھ دن میں سکول نہیں جاؤں گی۔ کچھ کام ہیں“

اس نے بتایا

”اچھا“ انہوں نے سر ہلایا

”تو عارفین کے ساتھ چلی جاؤ۔ اسکے پاس گاڑی بھی ہے“ داجی کی بات پہ اس نے حیرت سے عارفین کی طرف دیکھا تھا۔ رات تو وہ گاڑی کے بغیر تھا تو اب.....

اس کی آنکھوں میں سوال واضح تھا۔

”دوست سے مانگ کے لایا ہوں۔“ اس نے فوراً بتایا تھا وہ اس کے جواب پہ بری طرح سٹپٹائی تھی۔

”نہیں۔ میں چلی جاؤں گی“ وہ منع کر گئی

”میں چھوڑ دیتا ہوں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔“ اس نے فوراً خدمات پیش کیں۔

”صحیح کہہ رہا ہے۔ اکیلے جاؤ گی تو مجھے بھی پریشانی ہوگی۔ پہلے تو۔“ داجی کہنے لگے

”اچھا ٹھیک ہے“ اس نے تیزی سے انکی بات کاٹی

”مگر آپ بس مجھے لنک روڈ تک چھوڑ دیں آگے میں ٹیکسی کر لوں گی“

اس نے سوچتے ہوئے کہا

”جی بہتر“ اس نے یوں فرمانبرداری سے جواب دیا تھا جیسے مدت سے اس کا ڈرائیور ہو۔ وہ داجی کو خدا حافظ کہتی باہر نکل آئی۔

عارفین اس کے پیچھے تھا

”آپ کیا سکول میں جاب کرتی ہیں؟“ گاڑی روڈ پہ لاتے ہی اس نے عرف کو مخاطب کیا۔۔

”جی“ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے مختصر جواب دیا۔۔

”داجی نے بتایا آپ کمپی بابا اور پھر سدیس“..... اس کے لہجے میں گھلی ہمدردی عرف کو کسی تیکھے نخر کی طرح لگی۔۔

”سب اللہ ہی کے لئے ہے اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔۔ اس میں اتنا نیا کیا ہے“ اس نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی

تھی۔ اس کے اس قدر مضبوط لہجے پہ وہ ششدر رہ گیا تھا۔

”حیرت ہے میں نے آپ جیسی مضبوط لڑکی آج تک نہیں دیکھی“ اس کے لہجے میں بھی ستائش تھی

”اچھا“ عرف نے اس بار اس کی طرف مڑ کے دیکھا تھا۔۔

”پٹھان عورتوں کی یہی شان ہے۔۔ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔۔ آپکے گھر کی عورتیں ایسی نہیں ہیں کیا؟“

اس نے بڑے مان سے بتایا تھا۔۔ کسی کاسبز لہراتا آنچل ایک دم نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔ اس نے تیزی سے بریک لگائی

تھی..... گاڑی کے پیسے چلا اٹھے تھے۔

”کیا ہوا؟“ عرف یوں اچانک اس طرح بریک کی وجہ سے ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ہوئے بچی تھی۔۔ اجنبیت کی دیوار گراتے

اسے فوراً اس کی فکر ہوئی تھی

”میرے گھر کی عورتیں بھی بالکل تمہارے جیسی ہیں“ اور اس نے بھی اجنبیت کی دیوار گراتے اس بار پورے استحقاق سے اسے

مخاطب کیا تھا۔۔ وہ اس کے اس قدر فرینک انداز پہ سمٹ کے بیٹھ گئی تھی..... عارفین سارا راستہ خاموش رہا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

گیٹ پہ ہونے والی دھڑ دھڑ نے ان کے کمزور وجود کو ہلا کے رکھ دیا تھا..... دس سال..... پورے دس سال اس دستک کے نہ

ہونے کی دعا کی تھی..... لیکن وہ دستک چلی ہی آئی تھی..... وہ بھی اس وقت جب ان کی دعا میں کثرت آگئی تھی۔

وہ بھلا اس دستک کو کیونکر نہ پہچان سکتے.....

جانوروں کی شناخت ان سے زیادہ بھلا کس کو ہو سکتی تھی۔۔ اور انہی جانوروں سے عرف اور سدیس کو بچائے وہ دس سال سے گھر

سے دور اپنے ایام ضعیفی کاٹ رہے تھے۔

دروازہ پھر بجایا گیا تھا..... وحشی کتوں نے بالآخر ان کی خوشبو پا ہی لی تھی..... انہوں نے چند لمحے خود کو مضبوط کیا تھا اور پھر کچھ

سوچتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔

وہ چالیس سال کی عمر کا ایک مضبوط مرد تھا..... جس کے چہرے کی قبیح مسکراہٹ اس کے شیطان ہونے کا پتہ دیتی تھی.....
 "کیسے ہیں داجی؟؟؟" داجی کا چہرہ نظر آتے ہی اس نے گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے پوچھا تھا.....

"تم لوگوں سے دور تھا تو کافی بہتر تھا۔ اب کچھ سوچنا پڑے گا" انہوں نے راستہ دیئے بنا ہی سخت لہجے میں کہا۔ جواب میں وہ
 خباثت سے ہنس دیا۔

"اوداجی۔۔ آپ نے تو خود کو خود ہی خوار کر لیا ہے اس عمر میں۔۔" دائیں ہاتھ سے انکو کندھے سے تھامتا وہ انہیں انداز لاتے
 ہوئے بولا تھا۔

"اس عمر میں تو سات سمندر پار لوگ اپنے وطن، اپنے گھر کا رخ کرتے ہیں اور آپ یہاں آپڑے ہیں۔ مسافروں کے شہر میں"
 داجی نے نخوت سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"وجہ بھی تم جانتے ہو سبحان خان" ان کے لہجے میں غصہ تھا۔۔

"آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ عرف اور سدلیس ہمارے بھی کچھ لگتے ہیں۔۔" اس نے جتایا۔

"یہی تو فکر کی بات ہے۔۔ کاش ان کا تم سے کوئی رشتہ نہ ہوتا۔" داجی نے حسرت سے کہا۔

"اتنی محبت داجی..... ہم بھی تو آپ کے کچھ لگتے ہیں۔۔" اس کی زبان میں تلخی گھلنے لگی تھی۔۔

"تم تو کبھی سب کچھ تھے سبحان خان۔۔ مگر کاش تم اس مان کو سلامت رکھتے" داجی کے لہجے میں تاسف سانس لینے لگا۔

"خیر اب یہاں کیا لینے آئے ہو۔؟" انہوں نے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ سبحان کچھ دیر پر سوچ نظروں سے انہیں
 دیکھتا رہا..... پھر دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے ان کے قریب آ گیا۔۔

آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے اسے بولنا شروع کیا.....

"آپ جانتے ہیں..... میں کیا چاہتا ہوں پھر بھی اگر میرے منہ سے سننا چاہتے ہیں تو....."

وہ ایک مرتبہ پھر مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا..... سیاہ شیطانیت سے بھری نگاہیں ان کے کمزور وجود پہ گڑی تھیں.....

"میں عرف سے شادی کرنا چاہتا ہوں....." اس نے گویا بم پھوڑا تھا داجی کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

سفیدے کے درخت کے نیچے بنی کچی قبر سے آتی مہک ابھی بھی تازہ تھی..... کچی مٹی پہ تازہ تازہ پانی کا چھڑکاؤ اور مہکتے مکھرے

پھول بتا رہے تھے کہ لوگ آج بھی ان اجنبی شہداء کی قبروں پہ زار و زار آنسو بہانے آئے تھے۔ ضرورتی وی والے بھی آئے ہوں گے۔۔ اور
 شاید ایں جی اوز والے بھی۔۔ کچھ سیاسی شخصیات بھی۔۔

”انسان کتنا ارزاں ہے نہ۔۔ اس کا سوگ تک بکتا ہے۔۔ دکھوں تک کی قیمت لگتی ہے۔ آنسو تک برائے فروخت ہیں۔۔“

اس نے ہاتھ میں پکڑا واحد گلاب کا پھول اس قبر کے سر ہانے بالکل خالی جگہ پہ آہستگی سے دھرتے ہوئے دکھ سے سوچا تھا۔۔ کتنے ہی آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے اس کی بصارت دھندلانے لگے تھے۔۔ دل تھا کہ درد سے پھٹنے کو تھا۔۔ وہ بھر بھری مٹی والی زمین پہ ڈھسے گی۔۔

”سدلیں“ اس نے کانپتی آواز میں اسے پکارا تھا۔۔ نہ جانے کیوں دل کو امید سی تھی کہ وہ اسے مایوس نہیں کرے گا ضرور آواز دے گا۔۔

”سدلیں.....!! میں۔۔ تمہاری آپنی“ وہ اس کی قبر کی گیلی مٹی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے رودی تھی۔۔ اس نے اسے مایوس کر دیا تھا۔۔ وہ جواب میں خاموش رہا تھا۔۔

”کاش اس دن تمہیں بخار ہو جاتا سدلیں،

کاش اس دن سردی کی وجہ سے ہی چھٹی کر دی جاتی۔۔

کاش اس دن مجھے کچھ ہو جاتا اور تم میرے لئے رک جاتے۔۔

”کاش اس بار سولہ دسمبر نہ آیا ہوتا“

اس 16 دسمبر کتنے کاش تھے جو اس کے سینے میں حسرت بن کے جا گئے تھے۔

اور یہ 16 دسمبر کا ہی دن تھا جب سدلیں اس دنیا میں آیا تھا۔۔ سب کس قدر خوش تھے۔۔ سوائے بڑے ابو کے۔۔ سبحان لاا کے۔۔ نہ جانے کیوں وہ اس دن بوکھلائے بوکھلائے سے لگے تھے۔ بے حد پریشان۔۔ اور امی بابا اور داجی،، وہ تو بس اسے دیکھ دیکھ جیسے اپنی آنکھوں کی بینائی بڑھا رہے تھے۔ ایک گود سے اتار تا دوسرا تھا م لیتا۔۔ ان میں سے کسی نے بھی نوٹ نہیں کیا تھا کہ امان خان کی زندگی میں دس سال کے طویل انتظار کے بعد آنے والی خوشی کسی کے چہرے پہ کرب کی صورت بھی رقم ہے۔۔ لیکن حساس سی عرف نے یہ بات نہ صرف محسوس کر لی تھی بلکہ دل میں بھی رکھ لی تھی۔۔

حیران سی دس سالہ عرف اس وقت چونکی جب بابا نے ننھا ساروئی کے گولے جیسا وہ سفید گلابی وجود اس کے ننھے ہاتھوں میں تھمایا۔۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔۔ پھر یکبارگی ہی اس پہ اپنی گرفت مضبوط کی اور اسے اپنی پناہ میں یوں بچھینچ لیا جیسے وہ اس کی سب سے بڑی محافظ تھی۔۔ اس نے پہلی بار اس کے معصوم چہرے پہ گہری نظر ڈالی تھی۔ سفید دکتی رنگت والا وہ صحت مند بچہ کافی خوبصورت تھا۔۔ اور سب سے بڑھ کے وہ اس کا بھائی تھا جس کے لیے اس معصوم وجود نے کس قدر دعائیں مانگی تھیں۔۔

”امی میرا بھائی کیوں نہیں ہے میری سب دوستوں کے بھائی ہیں؟“ وہ اکثر سکول سے آتے ہی ماں کو تنگ کرنے لگتی۔

"عرف بچے! کچھ باتیں قدرت بس اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔۔ اور ایسا کیوں ہوتا یہ ہم کم عقل نہیں سمجھ سکتے" صابری امی نے اس کا خوبصورت چہرہ اپنے ہاتھوں کے سنہری پیالے میں لیتے ہوئے کہا۔

"۔۔ ہاں مگر اتنا ضرور ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے ہمارے لیے کیا اچھا ہے کیا برا۔۔ جانتی ہو اللہ پاک نے اپنے نام کی ہر خصوصیت انسان میں رکھی ہے۔۔ لیکن اللہ ظالم نہیں ہے۔۔ نہ ہی غاصب..... ظلم اور غصب یہ دو چیزیں بس انسان ہی کرتا ہے۔۔ خود پہ اور دوسروں پہ بھی" اسے کچھ یاد آیا تھا اس نے غور سے اپنے تایا اور کزن کے سیاہ پڑتے چہروں کو دیکھا تھا۔

"تو اگر وہ ہمیں کسی چیز سے محروم رکھتا ہے تو اس میں ہماری ہی بھلائی ہوتی ہے۔۔ کبھی وہ ہمیں بہت بڑے دکھ تو کبھی بہت بڑے نقصان سے بچا لیتا ہے۔۔ یہ تو ہم ناقص عقل ہیں جو ضد باندھ لیتے ہیں اور وہ چیز پانے کے لئے شرک تک اپنا لیتے ہیں جیسے جادو وغیرہ۔"

اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔۔ ان کے چہرے پہ کمزوری کی پیلاہٹ نمایاں تھی پھر بھی آنکھوں میں خوشی کی چمک بے انتہا تھی۔۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ مسکرا نہ سکی تھی۔ بس پھر سے نگاہ بھائی پہ ڈال کے اسے مزید زور سے خود میں بھیج لیا تھا۔۔ جیسے وہی اس کی مکمل پناہ گاہ تھی۔۔ دس سال کی ذہین معصوم عرف کو نہ جانے کیوں کچھ غلط ہونے کا خوف ستانے لگا تھا۔

16 دسمبر..... اس کی زندگی کا یادگار دن تھا.....

اور اس دن اس نے واقعی نہیں سوچا تھا کہ یہ دن اس کے لئے ہمیشہ یادگار رہنے والا تھا۔۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جس دن وہ مسکراتے نہ تھکتی تھی بھائی کی سالگرہ مناتے۔۔ اسی دن وہ کتنا رویا کرے گی۔۔ یہ دن اسے رلانے والا تھا اسے کہاں خبر تھی۔۔ لیکن وہ جو لوح تقدیر پہ لکھا جا چکا ہے بھلا کب مٹ سکتا ہے۔۔

☆.....☆.....☆

سدیس کے آنے سے انکی مختصر سی فیملی مکمل ہو گئی تھی۔۔ حاجی تو ننھے سدیس کو دیکھ دیکھ کے جیتے تھے۔۔ بابا اور امی بھی بہت خوش رہنے لگے تھے۔۔ بڑے ابوالبتہ عجیب سے ہو گئے تھے۔۔ چڑچڑے سے۔۔ ہر وقت زمینوں کو لے کے کوئی نہ کوئی بکھیڑا کھڑا رکھتے۔ اور زیادہ تر غصہ امان پہ ہی نکلتا۔۔ بابا ان کے سامنے ہمیشہ خاموش رہتے اور ان کی یہ عادت ننھی سی عرف کو بہت سلگاتی۔۔ وہ اب بارہ سال کی سمجھدار بچی تھی۔۔ حساس اور کم گو ہونے کی وجہ سے بھی اس میں سمجھنے کی صلاحیت کچھ زیادہ ہی تھی۔۔ اتنی سی عمر میں بھی وہ ماں باپ کے چہروں سے ان کی پریشانی بھانپ لیتی تھی۔۔ اسے غصہ اس لیے بھی زیادہ آتا تھا کہ حاجی بھی بڑے ابو کے سامنے خاموش رہتے تھے۔۔ اور جب وہ دل کی ساری بھڑاس نکال کے چلے جاتے تو حاجی بابا کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کے کہتے۔

"دی خولیو نے داکناں۔۔ تو خوما سمجھدار زویے ہے"

(یہ تو پاگل ہے۔۔ تم تو میرے سمجھدار بچے ہو) اور امان دھیرے سے مسکرا دیتے۔۔ لیکن عرف مسکرا نہیں پاتی تھی۔۔ تبھی اس رات داجی کے سینے پہ سر رکھے اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔۔

"بڑے ابو میرے بابا سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں داجی؟"

اور ایک ہاتھ پوتی کے گرد لپیٹے دوسرے ہاتھ سے کتاب پڑھتے داجی کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ کے زمین بوس ہو گئی تھی۔۔ انہیں ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ کبھی نہ کبھی امان اور ان کی بیوی یہی سوال کھڑا کریں گے اور اس کے بعد ان کے گھر کا شیرازہ بکھر جاتا۔۔ لیکن یہ سوال عرف جیسی کم عمر بچی اٹھالے گی انہیں اندازہ تک نہیں تھا۔۔

"آپ ہمیشہ بابا کو ہی کیوں سمجھاتے ہیں۔۔ بڑے ابو کو کیوں نہیں سمجھاتے داجی۔۔؟"

داجی کو لگا یوم حساب شروع ہو چکا تھا۔۔ وہ کچھ بھی نہیں بول پارہے تھے۔۔ زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔۔

"جب کہ غلطی ہمیشہ ان کی اپنی ہی ہوتی ہے۔۔ بابا کو تو بس نظر آتے ہی ان کو غصہ آنے لگتا ہے۔۔" تیرہ سال کی معصوم سی پری ناراض تھی۔۔

"اور سدلیس۔۔ وہ تو سدلیس کو بھی نہیں دیکھ سکتے" غضب بے نیازی سے منہ بنایا گیا۔۔

"کل بھاگ کے جا کر ان سے لپٹ گیا۔ انہوں نے یوں کھینچ کے الگ کیا جیسے وہ ان کا اپنا نہیں کسی دشمن کا بیٹا ہے۔۔" وہ اٹھ کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔۔

"پتہ ہے داجی میری ٹیچر کیا کہتی ہیں۔۔ کہ اگر بڑے اپنا دل بڑا کر کے سب کا حق تسلیم کر لیں ناں تو خاندان قائم رہتے ہیں۔۔ ورنہ گھر کو بچانے کے لئے ایک کا حق مار کے دوسرے کو خوش کرتے رہنے سے گھر بچتے نہیں بکھر جاتے ہیں۔۔"

"آپ نے کبھی میرے بابا کی سائنڈ نہیں لی داجی۔۔ آپ بھی بڑے ابو کے ہی داجی ہیں۔ ہمارے نہیں۔" معصوم انداز سے شکوہ کرتی وہ بیڈ سے نیچے اتر کے باہر بھاگ گئی۔ داجی خاموش بیٹھے اپنا حساب کرنے لگے۔۔ کچھ تو تھا جو انہیں شرمندہ کر رہا تھا۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆

اور پھر اس روز کچھ عجیب ہی ہوا تھا۔۔ بڑے ابو ہمیشہ کی طرح بابا پہ غصہ ہوئے تھے۔۔ زمینوں کے کھاتے میں غبن ہوا تھا وہ بھی کئی لاکھ کا۔۔ اور بڑے ابو نے سارا الزام بابا کے سر ڈال دیا تھا۔۔

"تم لالچ میں اس قدر گر جاؤ گے امان خان۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔۔۔" انہوں نے دھاڑتے ہوئے اس کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا تو اس بار وہ بھی چپ نہ رہ سکے تھے۔ نرمی سے انکا ہاتھ چھڑاتے ہوئے وہ چند لمحے انہیں تاسف سے دیکھتے رہے۔۔ "حیرت ہے" پھر بولے تو دنیا جہان کا غم جیسے ان کے لہجے میں سما گیا۔۔

"آپ اور سبحان ہی سارا کام سنبھالتے ہو زمینوں کا۔۔ مجھے تو بقول آپکے سمجھ بوجھ ہی نہیں زمینوں کی۔۔" جوانی کی دہلیز چھوتی عرف کو بابا کو پہلی بار ان کے سامنے بولتا دیکھ کر نہ جانے کیوں بے پایاں خوشی محسوس ہوئی۔۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس بابا اس سے زیادہ خوبصورت تو کبھی نہیں لگے تھے اسے۔۔ وہ چمکدار آنکھوں سے محبت ان پر لٹائے گئی۔۔

"جب میں نے کبھی ان معاملات میں مداخلت ہی نہیں کی تو میں غبن کیسے کر سکتا ہوں۔۔ یہ شک تو اب مجھے آپ اور سبحان پر کرنا چاہئے۔۔" بڑے ابو کا چہرہ حیرت اور غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔۔

"بلکہ اب مجھے لگ رہا ہے۔۔ زمینوں کا حساب کتاب چیک بھی کرنا پڑے گا مجھے۔۔ پتہ تو چلے غبن واقعی لاکھوں کا ہے یا کروڑوں کا....."

"امان خان۔۔" بڑے ابو نے غصے میں ان کی طرف پیش قدمی کی اور عرف خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی۔۔ تب بالکل اچانک کب سے خاموش بیٹھے داجی اٹھ کر دونوں بیٹوں کے درمیان آگئے تھے..... چہرے کا رخ بڑے بیٹے کی طرف ہی تھا۔۔

"امان نے کون سی غلط بات کہہ دی جو تم یوں بھڑک رہے ہو۔۔؟" ان کے لہجے میں وہی رعب تھا جو چند عرصہ پہلے اپنے بڑے بیٹے کی عیاریاں محسوس کرتے ہی گھر کے بٹوارے کے خوف سے کہیں گم ہو گیا تھا۔۔ وہ خوف نہ جانے کب دم توڑ گیا۔۔ اب انہیں بس اپنا ایمان بچانا تھا۔۔ سوال حشر آسان کرنے تھے۔۔ سچے بیٹے کا ساتھ دینا تھا۔۔ گھر تو بکھر ہی چکا تھا۔۔ ہاں یہ تھا کہ انہوں نے اس حقیقت کو ماننے میں نہ صرف دیر کر دی تھی بلکہ ایک بیٹے اور اس کے خاندان کا حق بھی غصب کرتے رہے تھے۔۔ لیکن اب مزید نہیں.....

"داجی آپ....." مہربان خان نے حیرت سے پہلی باپ کو دیکھا تھا۔۔

"کیوں؟؟ آج پہلی بار امان کے حق کی بات کر رہا ہوں تو تمہیں برا لگ رہا ہے۔؟" داجی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ مچلی۔

"اور وہ بھی صرف اسی وجہ سے مہربان خان کہ تم نے حد کر دی....." انہوں نے جلال سے کہا

"میں نے۔۔؟؟؟"

"میں نے حد کر دی۔۔؟" انہوں نے چلاتے ہوئے پوچھا..... عرف خوفزدہ ہو کے ماں کے پیچھے چھپ گئی۔

"چلا ومت مہربان خان" داجی نے نے بھی اسی طرح چلاتے ہوئے کہا۔۔

"اتنے سالوں سے زمین تمہارے اور سبحان کے ہاتھ میں ہے۔۔ اور اتنے سالوں سے ہی تم مسلسل خسارے کا ڈھڈورا پیٹ

رہے ہو۔ منشیوں سے میں بھی رابطے میں ہوں۔۔ ہر سال لاکھوں کا فصل کہاں جاتا ہے مجھے بھی معلوم ہے۔۔ لیکن اگر میں اور امان خاموش

ہیں تو اسے ہماری بڑائی سمجھو نہ کہ کمزوری..... خدا کی پناہ میں اور امان تمہارے ہر غلط کام کو نظر انداز کر تیرے اور تم انہی کا الزام ہم پر لگا

رہے ہو۔۔"

"میں نے آپ کو کچھ نہیں کہا داجی۔۔" مہربان خان گڑبڑائے۔ عرف نے ایک دم انکا چہرہ پھیکا پڑتا دیکھا تھا۔۔
 "امان مجھ سے الگ کب ہو گیا مہربان۔۔؟" داجی کے لہجے میں تاسف ابھرا۔

"تم نے ہی راہیں جدا کر لیں۔۔ ہم دونوں تو آج بھی تمہارا بھرم رکھ رہے تھے جب کہ کل ہی ہمیں معلوم ہوا تھا کہ تم نے سبحان کے نام سے کتنے نئے اکاؤنٹس کھلوائے ہیں اور یہ بھی کہ نہر کے ساتھ والی زمین جس کی قیمت نیوا اسلام آباد روڈ سے قریب ہونے کی وجہ سے ایک دم سے آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے اور جو امان کا حصہ تھی تم مجھ سے دھوکے سے سبحان کے نام کروا چکے ہو۔۔ حد ہے مہربان" غصے سے ان کا جسم کانپنے لگا تھا۔۔ امان نے بڑھ کر ان کو کندھوں سے تھام لیا۔۔

"اوہ تو یہ بات ہے..... اب میری جاسوسیاں کیس جائیں گی۔۔" مہربان خان نے شرمندہ ہونے کی بجائے غصے سے چباتے ہوئے کہا۔۔

"جاسوسی نہیں کی کسی نے تمہاری۔۔ اللہ پاک نے پردہ چاک کر دیا تمہارا..... اور اب بس" داجی بید کی چھڑی سنبھالتے صوفے پہ بیٹھ گئے۔۔

"میں نے سوچ لیا ہے۔۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم دونوں کا حق تم دونوں کے حوالے کر دیا جائے۔۔

یہی بہترین وقت ہے۔۔" انہوں نے فیصلہ سنایا

"لیکن" مہربان نے کچھ کہنا چاہا۔۔ کہ داجی نے ہاتھ اٹھا کے ان کو مزید کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا۔۔

"امان۔۔ شہر جا کے تمام زر زمین کا حساب کلیر کر کے کاغذات بنواؤ اور وکیل صاحب کو ساتھ لے کے آؤ۔۔ میں اب مزیدیر نہیں کرنا چاہتا" انہوں نے امان کو حکم دیا

"جیسے آپ کا حکم بآجی۔" امان نے ادب سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔۔ مہربان نے غصے سے لب کاٹ لیے تھے۔۔

☆.....☆.....☆

آرمی کی گاڑیوں کی قافلہ اپنی اگلی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔۔ سردی کی لہر سے بے پرواہ کچھ مستعد سپاہی گنز سنبھالے گاڑی کی چھت پے بیٹھے ارد گرد کے ماحول کا عقابانی نظروں سے جائزہ لینے میں مصروف تھے۔۔ رات تاریک تھی لیکن انکی نظریں کچھ یوں بیدار تھیں کہ کسی بھی چیز کی ہلکی سی حرکت ان سے چھپ نہیں سکتی تھی۔۔

رات کا بالکل آخری پہر تھا۔ صبح ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔۔ گاڑی کے اندر کچھ نوجوان آپس میں ہنسی مذاق کرنے لگے تھے۔

"اس کا منہ کیوں اتر اہوا ہے۔۔؟" اس نوجوان کے سوال میں ہی شرارت چھپی تھی۔۔

"شادی کے دوسرے ہی دن آنا پڑا ہے اسے۔ منہ نہیں لٹکائے گا تو کیا باچھیں کھول کے تہمت لگائے گا" ایک اور ساتھی شریہوا۔

"او خوش ہو جایا ریہ دن تو چٹکیوں میں گزر جائیں گے" ایک دوست نے تسلی دی۔۔ شریری مسکراہٹ البتہ اس کے چہرے پہ بھی جبی تھی۔

"تنگ نہ کرو یار" وہ خفا ہوتا گاڑی کے دروازے میں آٹھرا۔۔ نظریں دور تک آسمان میں گم ہوتے اندھیرے پہ جمادیں۔۔

"اداس نہ ہو۔۔" ایک اور دوست نے اٹھ کر اس کا شامی تھپتھپایا۔۔

"اداس نہیں ہوں۔۔" وہ بھی مسکرایا

"بس بہت کچھ کہنا تھا اس سے۔۔" وہ مڑ کے دروازے میں ہی کھڑا رہ کر سب کو بتانے لگا۔۔ اس کے چہرے کی مسکان پہ سحر اپنے سارے رنگ وار نے کو مچلی تھی۔۔

"اس وقت سے جب سے وہ اس دل کی لکین ہوئی ہے۔۔ شادی سے پہلے کبھی موقع ہی نہیں ملا اور اب جب وہ میری ہے تو بھی بتانے کا وقت ہی نہیں ملا۔۔ بس اس لئے ذرا سی کسک ہے دل میں" اس کی بات سب کی لمبی "اوہ" ایک ساتھ گونجی تھی۔۔

چل فون پہ بتا دینا یا اگلی دفعہ جا کے "سالار نے مسکراتے ہوئے دوستانہ لہجے میں اسے تسلی دی تھی۔۔

"زندگی کا ہی پتہ نہیں ہوتا ناں سر!" وہ مسکرایا

"بس تبھی تسلی نہیں ہو رہی" اس نے کہا تو سب ہنس دئے۔۔

"اتنی زندگی ہوگی تمھاری۔۔ لکھو الو مجھ سے" سالار کو بھی مزہ آنے لگا تھا۔۔

"دیں لکھ کے" اس نے خوش ہوتے ہوئے بچوں کی طرح ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔۔ سب کا ہتھ پہ جاند ا تھا۔۔

اور اگلے ہی لمحے گولی چلنے کی تیز آواز پہ وہ سب لمحوں میں ہوشیار ہوئے تھے۔ لیکن اسکے بعد گہری خاموشی چھا گئی تھی۔۔ گاڑیاں

رک چکیں تھیں۔۔ دروازے میں کھڑے نوجوان نے نہ جانے کیوں دل کو تھاما تھا۔۔ اور پھر سب نے اسکے اسی ہاتھ کو خون آلود ہوتے

دیکھا تھا۔۔ گاڑی کی چھت سے بھی اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔۔ نوجوان کلمہ پڑھتے ہوئے ان کے ہاتھوں پہ آگرا تھا۔۔ اور ان

سب میں سب سے پہلے گاڑی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کے اترنے والا سالار ہی تھا.....

☆.....☆.....☆

امان خان سب حساب کتاب لے کر شہر جانے کے لئے تیار ہی تھے کہ سجان کی بیوی کو مل کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔۔ سجان اور

مہربان خان صبح سویرے ہی کہیں نکل گئے تھے۔۔ مجبوراً امان اور انکی بیوی کو اسے لے کے شہر جانا پڑا۔۔ سدیس اور عرف کو داجی نے اپنے

پاس روک لیا۔۔

"یہ دونوں وہاں کیا کریں گے۔۔ تم لوگ جاو۔ ملازم ہیں ناں ان کے کام کاج کے لئے۔۔ باقی خیال میں خود رکھ لوں گا،"

انہوں نے کہا تو عرف بھی ان سے لپٹ گئی۔

"آپ جاؤ ماما۔ ہم یہیں داجی کے پاس ٹھیک ہیں" اس نے مسکراتے ہوئے ان کی مشکل آسان کی۔ انہوں نے محبت سے

انکی پیشانی چوم لی۔

وہ کوئل کو لے شہر کے لئے نکل گئے۔ داجی نے میر بان اور سبحان کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔

"تم شہر کے لئے نکل جاؤ مجھے کچھ چیزوں کے صل نکالنے ہیں۔" مہر بان نے کہا تو سبحان کے چہرے پہ قہقہہ مسکراہٹ پھیل گئی

"کہیں آپ بھی وہی تو نہیں سوچ رہے بابا جو میں سوچ رہا ہوں" اس نے مونچھوں کو تاد دیتے ہوئے پوچھا

"سوچنے والی باتیں بتائی نہیں جاتی سبحان خان۔ بس ان پہ عمل کیا جاتا ہے۔" مہر بان نے نرمی سے اسے سمجھایا

"تم شہر پہنچو۔ اور کوشش کرنا چاچا چاچی کو پہلے فارغ کر کے بھیج دو۔ ان کا ویسے بھی وہاں کیا کام۔ اس مشکل گھڑی میں

عورت کو سب سے زیادہ اس کے شوہر کے ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے۔" انہوں نے کہا وہ سر ہلا گیا

"ویسے بھی تمہارے چاچا چاچی کو اب آرام کی ضرورت ہے۔ پھر بچوں سے اتنا دوران کو چین ہی کہاں ہوگا۔ اس لیے کوشش

کرنا جلد از جلد ان کو واپس روانہ کر دینا۔ اور ہاں گاڑی اپنی لے کے جانا تا کہ تمہارے چاچا چاچی کو واپسی میں مشکل نہ ہو۔ سمجھ رہے ہو

ناں میری بات" انہوں نے ذومعنی لہجے میں کہتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا بیٹا ہوں بابا..... اتنا تو قابل ہوں ہی" اس نے مسکراتے ہوئے کہا

"تبھی تو فخر ہے مجھے تم پہ" انہوں نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا.....

☆.....☆.....☆

سبحان خان جس قدر عجلت میں گھر آیا تھا۔ اس انداز نے داجی کو چونکا دیا تھا۔ سبحان ان مردوں میں سے تھا جو عورت کو پاؤں کی

جوتی سمجھتے ہیں۔ اور ہر بار اس سے پیچھا چھڑا کے نئے شکار کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اسی لیے سبحان کے عجلت بھرے اور متفکر انداز نے

ان کے دل میں عجیب سے اندیشے بھر دئے تھے۔

"داجی میں شہر جا رہا ہوں۔ دعا کیجئے گا سب خیریت ہو" اس کا چہرہ عجیب سی چمک سے خیرہ ہو رہا تھا۔

"شاید باپ بننے کی خوشی یہی رنگ دیتی ہے" داجی نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی

"میں بھی کتنا منفی سوچنے لگا ہوں" انہوں نے خود کو ملامت کی۔

"عرف تم میرے دو تین سوٹ نکال دو۔ اور کچھ اور ضروری سامان بھی۔ میری سرمئی رنگ والی مردانہ شال بھی رکھ دینا بیگ

میں" اس نے جیب میں موجود رقم نکال کر گنتے ہوئے عرف سے کہا

"جی لالا" وہ جو کوئل بھابی کے لئے صبح سے فکر مند تھی تیزی سے کہتی اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ کچھ رقم رکھ لو کام آئے گی" داجی نے اس کی طرف کچھ رقم بڑھاتے ہوئے کہا جو اس نے متشکر انداز میں تھام لئے۔

"امان کے پاس بھی ہے کافی رقم۔ پھر بھی پریشانی ہو تو تم ہمیں فوراً مطلع کرنا" انہوں نے مزید ہدایت دی۔

"جی داجی" اس نے ادب سے کہا

"میں ذرا کیڑے بدل لوں۔۔" وہ اٹھا۔

"ہاں۔ میں ڈرائیور کو کہتا ہوں گاڑی تیار کر لے۔ پٹرول وغیرہ دیکھ لے" داجی بید کی چھڑی سنبھالتے اٹھے۔ سبحان نے سر ہلا دیا۔

داجی باہر کی طرف بڑھے تو وہ بھی اپنے کمرے میں چلا آیا۔ نظر سامنے کھڑی عرف کی کمر کو چھوتے لمبے سیاہ بالوں میں الجھی تو

وہ دیر تک وہاں سے ہل نہ سکا تھا۔ عرف کی اس کی طرف پشت تھی۔۔ لمبے گھنے بال پونی میں باندھ کے ایسے ہی کھلے چھوڑ دئے گئے

تھے۔ کاٹن کے فٹ ہوتے کرتے میں اس کے جسم کی اٹھان اس قدر آتش فشانی تھی کہ سبحان کی سانسیں جلنے لگیں تھیں۔

وہ تو گڑیا جیسی تھی ابھی کل تک۔۔ کب ہر نی کا خوبصورت نازک روپ چرایا اسے تو خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ سبحان کو اپنی بے خبری

پہ غصہ آنے لگا تھا۔

"میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتا رہا اور سب سے میٹھا کنواں تو میرے اپنے ہی گھر میں موجود ہے" اس نے خشک ہوتے لبوں پہ

زبان پھیری۔ کسی باؤلے کتے کی طرح اسکی سانس تیز ہو رہی تھی، زبان بارں ارمنہ سے باہر آ رہی تھی اور سرد موسم ہونے کے باوجود اسے

پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

عرف اس کی موجودگی سے بے خبر انہماک سے اسکے کیڑے پیک کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے باری باری سب کیڑے رکھ

دئے تھے اب شال کی باری تھی۔۔ وہ شال تہہ کرنے لگی۔ سبحان کو لگا وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گی اور سارا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ وہ دھیرے

دھیرے قدم بڑھاتا اس کی سمت بڑھا۔ اور بالکل اچانک اس کی ڈالی سی کمر میں مضبوط بازو ڈالتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب پھیرا

تھا۔ اسکی پکڑ اتنی اچانک اور مضبوط تھی کہ نازک سی عرف اسکے سینے سے آگئی تھی۔ جہاں سبحان کے دل نے بند ہونا شروع کیا تھا وہیں

عرف کی تو جیسے جان نکل گئی تھی۔۔ جوانی کی دلیز کو چھوتی عرف نے زندگی میں پہلی بار کسی نامحرم کے لمس سے آشنائی حاصل کی تھی۔ لیکن پھر

بھی اس کے اندر چھپی شیطانیت فوراً بھانپ گئی تھی۔۔

"لالا" وہ اس کی مضبوط گرفت میں کسی چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

"اف۔۔ سرور کیا ہوتا ہے۔ آج پتہ چلا۔ خدا کی قسم سبحان خان آج تک اس نشے سے نا آشنا رہا۔ کوئی حسن اس طرح ہوش و

خرد سے بیگانہ کر سکتا ہے۔۔" وہ اختیار سا اس کے بالوں پہ چہرہ رکھے اس کی خوشبو اپنے اندر اتارنے لگا۔

"لالا" وہ مان سے اسے پکارتے ہوئے خود کو چھڑانے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی۔۔

"لالا چھوڑیں مجھے۔۔" وہ رونے کو ہو گئی

"ابھی تو ملی ہو۔ ابھی تو جانا ہم نے تمہیں" سبحان نے اس کے مان کا تقدس پامال کرتے ہوئے اسے مزید خود سے قریب کیا۔۔ عرف کی سانسیں رکنے لگیں۔۔

"مجھے مکمل محسوس تو کرنے دو کہ تم میرے اختیار میں ہو۔ کائنات کی سب سے حسین و معطر لڑکی میرے لئے آسمان سے اتاری گئی ہے" وہ بے خود سا اسے خود میں بھنچے جارہا تھا۔ اور عرف چلانے کی کوشش میں بھی ناکام ہو رہی تھی۔ اس نے اس طرح اسے تھام رکھا تھا کہ ایک ہاتھ کمر کے پیچھے اور دوسرا سر کے پیچھے سے منہ پہ وہ لڑکھڑاکے بات کر پاتی مگر کھل کے نہیں..... وہ بار بار اس کے گلابی لبوں کو حسرت سے دیکھتا اور نظروں ہی نظروں میں سو بار فدا ہوتا۔۔

"سبحان۔۔ آ جاؤ بچے۔۔ دیر ہو رہی ہے" داجی کی نرم آواز سنتے ہی سبحان کی روح تک میں نفرت سی بھری تھی

ایک تو یہ بڑھا۔۔ سات نسلیں دیکھ کے مرے گا کیا؟؟؟" غصے سے کہتے ہوئے اس نے داجی کو زیر لب ہی گالی سے نوازا تھا۔ عرف نے نفرت سے اسے دیکھا تھا۔ لیکن اس کی مضبوط گرفت سے اب بھی نکل نہیں پائی تھی۔۔ وہ اسکے شکنجے میں بری طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔

"سبحان" وہ شاید اب کمرے کی طرف آرہے تھے۔۔ سبحان کو ناچار اپنی گرفت ڈھیلی کرنا پڑی۔۔

"ہماری قسمت،،" حسرت بھرے لہجے میں وہ بولتا ہوا عرف کو جیتا جاگتا شیطان لگا۔۔

"چلو شہزادی! پھر ملیں گے کبھی فرصت میں تمہیں سراہیں گے، تمہاری قربت کو خراج پیش کریں گے۔۔" مکروہ لہجے میں کہتا وہ بیڈ پر سے بیگ اور شال اٹھاتا باہر نکل گیا تھا۔۔ معصوم سی عرف چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ کے سسک اٹھی تھی.....

☆.....☆.....☆

وہ رات بے حد تاریک تھی۔۔ شہر میں کوئل کی طبیعت سنبھل نہ سکی تھی۔ تبھی امی بابا وہیں رک گئے تھے۔۔ سبحان بھی شہر میں تھا۔۔

لیکن اس رات نہ جانے کیوں عرف کو وہ ہر جگہ نظر آیا تھا۔۔ خوف سے سردرات مزید سرد، خاموش اور تاریک لگنے لگی تھی۔۔ داجی نے اماں بی (خاندانی ملازمہ) کو سدلیس اور اس کے کمرے میں ٹھہرایا تھا۔۔ وہ ماں جیسی ہی تھی۔ نرم خو۔۔ بہت خیال رکھنے والی۔۔ لیکن وہ ماں نہیں تھی۔ تبھی شاید اس رات عرف کی آنکھوں اور وجود پہ اترنے والے خوف اور لرزے کو وہ نہیں دیکھ پائی تھی۔۔

اس ساری رات عرف دعا کرتی رہی تھی۔۔ کہ کسی کو بھی نیند نہ آئے۔۔

سدلیس ساری رات جاگتا رہے۔۔ اور اس کی وجہ سے اماں بوا بھی۔۔

داجی کو کوئل بھائی کی فکر رہے، انہیں نیند نہ آئے اور وہ ساری رات کچھ نہ کچھ تلاوت کرتے رہیں۔۔

اس رات اس نے سبجان کے مرنے کی بھی دعائیں کیں تھیں۔۔۔
لیکن..... کوئی دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔۔۔

اس رات سدیس بھی خوب چین کی نیند سو رہا تھا۔۔۔ ساری رات ایک بار بھی نہ تو اسے بھوک لگی تھی۔۔۔ نہ ہی وہ بے چین ہو کے جاگا تھا۔۔۔ اس کی وجہ سے اماں بوا بھی سکون سے سوتی رہیں تھیں۔۔۔

داجی کے کمرے کی لائٹس بھی بجھی ہی رہیں۔۔۔ نشے کی دوا لے کے سوتے تھے۔۔۔ نیند تو آنی تھی۔۔۔ پریشانی کہاں آنے دیتی تھی دوا۔۔۔ مایوس ہو کے وہ تکیے میں منہ دیئے روتی رہی۔۔۔ خود تلاوت کرتی رہی۔۔۔ ماں بابا کو یاد کرتی رہی۔۔۔

یہ سچ تھا کہ ماں بابا نے ہمیشہ اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ اسے ہمیشہ اچھے لوگوں میں رہنا نصیب ہوا تھا۔۔۔ پھر بھی وہ اس کچی عمر میں تھی جب لڑکیاں نگاہوں کے مطلب بھی خوب جان لیتی ہیں۔۔۔ اور وہ..... وہ تو عقاب کے پنجوں میں جکڑ لی گئی تھی۔۔۔ اس کی روح تک میں اس آدمی کی سخت انگلیاں گھس رہی تھیں۔۔۔ اس کا نرم ملائم چہرہ ابھی تک در در کر رہا تھا۔۔۔ اور کمر کے گردخوئی پنجہ ابھی تک محسوس ہو رہا تھا۔

اس رات وہ سو نہ سکی تھی۔۔۔ ساری رات سبجان نامی عفریت اس کے دماغ سے لپٹ کے رہ گیا تھا۔۔۔ آنکھ لگ بھی جاتی تو اس عقاب کو خود کی طرف خونی نظروں سے دیکھتے اور بڑھتے دیکھتے ہی وہ دوبارہ جاگ اٹھتی۔۔۔

"وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔۔۔" وہ کمر میں خود کو مکمل ڈھانپ کے خود کا می کرتی۔۔۔ پکلیں بھیگ بھیگ جاتیں۔۔۔

"میں داجی کو بتاؤں گی۔ وہ ضرور مجھے بچالیں گے" اس نے راہ نکالی۔

"لیکن داجی کو کہوں گی کیا کہ لا لانے میرے ساتھ۔۔۔؟؟" اس کا روم روم نوحہ کناں ہوا۔۔۔ بے حیاء کے لئے گناہ بھی آسان اور حیاء دار کے لیے اپنی بے قصوری بھی جرم بن جاتی ہے۔۔۔ یہی حال اس وقت عرف کا تھا۔۔۔ وہ بھلا کیونکر بتا سکتی تھی داجی کو۔۔۔ کس طرح ان سے ذکر کرتی کہ اس کے بڑے بھائی نے..... اس پہ ایٹمپٹ کی تھی۔۔۔ وہ سسک اٹھی تھی۔۔۔ رات اور اس کا تکیہ دونوں مسلسل بھیگ رہے تھے۔۔۔

"تو کیا بابا کو....." فوراً خود ہی نفی میں سر ہلایا گیا

"نہیں نہیں۔۔۔" آنسو گال جلانے لگے تھے۔۔۔

"ہاں میں ماما کو بتا دوں گی" آخر کار اس نے فیصلہ کرتے ہوئے سختی سے آنسو صاف کیے۔۔۔

"کسی کا شکار بننے سے اچھا ہے کسی کو سب سچ بتا دیا جائے۔۔۔" اس نے تہیہ کیا

"میں کمزور نہیں ہوں۔ امان خان کی بیٹی ہوں۔۔۔ سبجان خان آج کے بعد مجھے کبھی ہاتھ نہیں لگائے گا۔" اس نے خود سے جیسے

عہد کیا تھا اور تکیے سے لپٹ کے آنکھیں موند گئی۔۔۔ تھکی ہاری رات آخری سفر پہ رواں ہو چلی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح کھڑی تھی۔۔ ہر منظر، ہر شے کو گہری دھند نے نگل لیا تھا۔۔ ساری رات جاگتے رہنے کے باوجود فجر کے وقت ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔۔ دل نہ جانے کیوں بے طرح پریشان ہو رہا تھا۔۔ اسے سانس تک لینے میں دشواری پیش آرہی تھی۔۔ سدیس اور اماں بوا ابھی تک گہری نیند میں تھے۔۔ وہ فریش ہو کر داجی کے کمرے میں آگئی۔۔ وہ کافی خوش لگ رہے تھے۔۔

"عرف بچے" اسے دیکھتے ہی وہ اور کھل اٹھے۔۔

انہوں نے اس کے لئے بانہیں کھول دیں وہ بھی ان کی بانہوں میں جا سائی۔۔

"اللہ پاک نے تمہیں پھپھو بنا دیا ہے۔۔ کوئل کو اللہ نے بیٹا دیا ہے" انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔۔ ابھی سی عرف کا سارا خوف جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔۔ رات کی کیفیت پہ خوشی غالب آگئی۔۔

"سچ داجی۔۔ کب آرہے ہیں بھابی اور سب لوگ۔۔؟" وہ چہکی

"آج تو موسم خراب ہے ناں۔۔ شاید کل آئیں" انہوں نے بتایا

"میں بھابی کا روم سجادوں گی۔۔ اتنا پیارا کہ وہ دیکھتی رہ جائیں گی" اس کے لہجے میں جوش تھا۔۔ داجی نے محبت سے اس کی

پیشانی چوم لی۔۔

"تم لسٹ بنالو۔۔ میں کسی سے کہہ کر تمہیں سامان منگوا دیتا ہوں" ان کی بات پہ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئی۔۔ تبھی بیڈ کے

پاس پڑے فون کی گھنٹی بجی تھی۔۔ داجی نے مسکراتے ہوئے فون اٹھایا۔۔

"سبحان بات کر رہا ہوں داجی" دوسری طرف سبحان کے لہجے میں پریشانی انہوں نے فوراً بھانپ لی تھی۔۔

"خیر دابچیا (خیر تو ہے بیٹا)" انہوں نے تیزی سے پوچھا تھا۔۔

"داجی چاچا چاچی صبح گاؤں کے لئے نکلے ہیں۔۔ ابھی منشی نے بتایا وہاں موسم خراب ہے۔۔ بس اس لیے ذرا پریشان ہو

گیا۔ سوچا آپ سے معلوم کر لوں" اس نے فکر مندی سے کہا

"اتنی جلدی کیا تھی۔۔" داجی بھی فکر مند ہو گئے۔۔

"یہاں تو موسم واقعی خراب ہے۔۔ شدید دھند ہے۔۔ حدنگاہ صفر ہے بچے" ان کے ضعیف ہاتھ کا پنے لگے تھے۔۔

"چاچا کو ہی جلدی تھی۔۔ میں نے منع بھی کیا کیونکہ یہاں بھی موسم صاف نہیں تھا مگر آپ تو جانتے ہیں داجی چاچا کو کون منع کر سکتا

ہے" وہ ناراض لہجے میں بولا۔۔

"سفر بھی تو طویل ہے ناں۔۔ اللہ کرے بہتری ہو جائے اور دھند چھٹ جائے۔۔ تم فکر نہ کرو۔۔ امان ذمہ دار آدمی ہے۔۔ وہ

آرام سے ہی ڈرائیو کرے گا۔۔ پہنچ جائیں گے خیریت سے۔۔ انشاء اللہ" انہوں نے اسے بھی تسلی دی اور شاید خود کو بھی۔۔

جی داجی۔۔ میں رکھتا ہوں "اس نے فون بند کر دیا تھا۔۔

داجی نے بھی ریسپور کرڈیل پے ڈال دیا..... سبز لکیروں سے بھرے کمزور جھریوں زدہ ہاتھ اب مسلسل تسبیح کے دانے گرا رہے تھے۔۔ نہ جانے کیوں دل کوئی خبر دینے لگا تھا۔۔ انہوں نے دل کی طرف سے بالکل کان آنکھ بند کر لیے تھے۔۔ انہیں کچھ دیر اس کی کوئی بات نہیں سننا تھی.....

☆.....☆.....☆

کانوائے پر حملے میں دو جوان شہید، چار غازی ہوئے تھے۔۔ جبکہ تمام حملہ آور جہنم واصل ہوئے تھے۔۔ سالار بھی اس حملے میں شدید زخمی ہوا تھا۔۔ اسے فرسٹ ایڈ کے بعد پشاور سی ایم ایچ بھیج دیا گیا تھا۔
دو دن آئی سی یو میں گزارنے اور موت اور زندگی کی جنگ میں بلا خرموت کو ہرانے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں تھیں۔۔ اور سب سے پہلے نظر آنے والے چہرے نے اس کی ساری کمزوری دور کر دی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ مسکرایا تھا۔۔
"خان" اسے یوں خود کو دیکھتا پا کے وہ خوشی سے رو دی تھی۔۔
"شرم کرو۔۔ فوجی کی بیوی ہو کے رو رہی ہو؟" اس نے شریر لہجے میں کہا۔۔

"مجھے..... مجھے لگا خان میں نے آپ کو کھو دیا" وہ کس قدر بے بس تھی۔۔ وہ اس کے چہرے سے بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس کے دودھ جیسی شفاف رنگت چہرے پہ آنسو موتیوں کی لڑی کی طرح رواں تھے۔ پاکیزگی اس کی آنکھوں میں چمک سی رہی تھی۔۔ اسے سندرے پہ ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"تم نے تو آج مجھے کمزور کر دیا سندرے" وہ اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگاتے ہوئے ایک جذب سے بولا۔۔ سندرے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔۔ وہ بھی اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ سندرے نے فوراً نظریں جھکا لیں۔۔
"میری منزل تو شہادت ہے۔۔ تم ایسا کرو گی تو؟" وہ ہاتھ چھڑا کے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔
"سندرے۔۔ وہ بے تاب ہوا

"میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی خان۔۔ آپ جو چاہے کر لو۔۔ میں آپ سے نہ گلہ کروں گی نہ خفا ہوں گی۔۔ لیکن یہ باتیں نہ کرو۔۔ ورنہ آپ بھی اپنی سندرے کو کھو دیں گے۔۔" سندرے نے روتے ہوئے سر اس بازو پہ رکھ دیا تھا۔ اس نے بایاں ہاتھ سندرے کے سر پہ رکھا اور اس کے نرم بالوں پہ پھیرنے لگا یوں جیسے اسے حوصلہ دے رہا ہو۔۔

"سندرے" کچھ دیر خاموشی کے بعد بالآخر اس نے پکارا۔ سندرے نے بھیگا چہرہ اوپر کیا۔۔

"میری طاقت بنو سندرے، پلیز مجھے کمزور نہ کرو" اس کی آنکھوں میں بھی التجا تھی۔۔ سندرے نے پہلے حیرت سے اپنے شوہر کو

دیکھا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے ہی موت کے منہ سے واپس آیا تھا اور پھر بھی کوئی خوف کوئی ڈر نہیں تھا۔ اسے اب اپنی شہادت، اپنے فرض کی فکر تھی۔ اور وہ اس سے بھی یہی امید لگا رہا تھا کہ وہ بھی اس کا ہی ساتھ دے گی۔ اور پھر ایک لمحہ لگا تھا سندرے کو سنبھلنے میں۔ اس نے تیزی سے آنسو صاف کیے اور مضبوطی سے خان کا ہاتھ تھام لیا۔ خان نے دیکھا تھا اب اس کی آنکھوں میں خوف اور دکھ کی جگہ اس کی عزت اور محبت کا نور چمک رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"ہم گرتے ہیں، گولیاں بھی کھاتے ہیں، لیکن پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم نے ہارنا نہیں سیکھا۔ پلٹنا بھی نہیں آتا ہمیں۔ جانتی ہو سندرے۔ اس حملے میں پہلا شہید وہ سپاہی تھا جس کی کچھ دن پہلے ہی شادی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جو رنگ میں نے دیکھے وہ کس قدر خوبصورت تھے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ اس کی آنکھوں میں اس کی حسرتیں، اس کی چاہتیں پوری شدت سے جگمگ رہی تھیں۔ اس کے لبوں پہ اداسی تھی اور آنکھوں میں کسی کی جمتی بجھتی شبیہ۔ پھر بھی اسے فرض سے انکار نہیں تھا۔ اسے یہ تک پتہ تھا کہ زندگی شاید ہی موقع دے نہ دے پھر ملنے کا۔ پھر بھی وہ اپنی گن سنبھالے مشن پہ روانہ تھا۔ جانتی ہو کیوں.....؟؟؟

کیونکہ ہماری رگوں میں سب سے پہلے مٹی کی محبت خون بن کے دوڑتی ہے پھر کسی اور کی محبت۔ ہمیں بس نچھاور ہونا آتا ہے اس مٹی پہ۔ تو کیا یہ برا ہے؟؟؟" اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"بالکل بھی نہیں خان۔" سندرے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی
 "بس..... دیٹس لائیک مائی بریو وائف" اس نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کی تھی۔ سندرے بھی مسکرا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے بھلے ہی آتے وقت باپ کی بات اچھی طرح سمجھی تھی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں اس دن وہ ان کی بات نہیں مان سکا تھا۔ دل کسی انہونی کی خبر دے رہا تھا۔ کوئل کی طبیعت ٹھیک تھی لیکن ڈاکٹر ز نے دو دن مزید اسے ہسپتال میں ہی رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اور چونکہ وہ اور ایک ملازمہ وہاں موجود تھے اب تو چاچا چاچی نے گھر جانے کی سوچی تھی۔ یہاں موسم صاف تھا۔ لیکن ان کے نکلنے سے کچھ دیر پہلے ہی منشی نے فون پہ بتایا کہ گاؤں میں اس بار شدید دھند اتری ہے۔ اس کے مطابق یہ دھند عجیب ہی تھی..... پراسرار سی، خوفناک سی۔ کیونکہ ان کے گاؤں میں کبھی دھند نہیں اتری تھی۔ ان کے گاؤں میں پانی کا کافی بڑا مسئلہ رہا تھا۔ زمینیں زیادہ تر آباد نہیں تھیں۔ بنجر ویران زمینوں پہ ہمیشہ کڑکتی دھوپ اترتی تھی۔ دھند اور بارش بہت کم۔ تبھی اس دفعہ اترنے والی دھواں دھواں دھند نے سب کے دل خوف سے بھر دیے تھے۔ ہر کوئی ہر کسی کی خیریت کی دعا کر رہا تھا۔ اور اسی دھند کا سن کر سبحان بھی پریشان ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیوں دل میں عجیب سے وسوسے سر اٹھانے لگے تھے۔ اس نے منصوبے کے مطابق باپ کو بھی ان کے نکلنے کی اطلاع نہ دی تھی۔ اس کا

دل اچانک پھرا تھا۔ وہ اب انکی عافیت کے لئے دعا گو تھا۔ اس نے فوراً ہی چاچا چاچی کو روکا۔ کہ وہ آج سفر نہ کریں۔۔۔
 "تم خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہے ہو۔ یہاں تو موسم صاف ہے۔۔۔ وہاں پہنچنے تک دھند چھٹ چکی ہوگی" امان نے نرمی سے منع کر دیا۔

"کل چلے جائیں گے نا۔۔۔ میرا خود بھی دل گھبرار رہا ہے" چاچی نے بھی سبحان کی بات کی تائید کی۔

"تم بھی نہ بیگم۔۔۔ وہاں سدیس اور عرف ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ داجی کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔۔۔ اگر اچانک انکی طبیعت بگڑ گئی تو بچے بھلا کیا کر پائیں گے۔ پھر یہاں سے پانچ گھنٹوں کا سفر ہے۔ قریب کی بات ہوتی تو پھر بھی بات تھی۔۔۔ پھر ویسے بھی ایک دو گھنٹوں میں دھند چھٹ ہی جائے گی۔۔۔ وہاں دھند اترتی ہی کب ہے۔۔۔ اس بار آئی ہے تو جلدی چھٹ ہی جائے گی۔ تم پریشان نہ ہو بس دعا کرو۔۔۔ ملیں گے پھر انشاء اللہ گھر پہ" انہوں نے مسکراتے ہوئے بھتیجے کو گلے سے لگایا تھا۔ اس نے بھی مجبوراً اس بار کچھ بھی نہیں کہا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ ابھی بھی پریشان تھا اور کیوں تھا یہ وہ خود بھی سمجھ پارہا تھا۔

☆.....☆.....☆

امان خان نے واقعی نہیں سوچا تھا کہ دو تین گھنٹوں کے سفر کے بعد بھی دھند دھند نہیں چھٹے گی..... وہ اپنے گاؤں سے ایک گھنٹے کے فاصلے پر تھے..... دھوپ آہستہ آہستہ دم توڑنے لگی تھی۔ دھواں سا آگے ہی آگے چھانے لگا تھا۔
 "خان۔۔۔ دھند تو کافی زیادہ ہے ابھی بھی" خوفزدہ آواز میں بی بی نے امان کو پکارا تھا۔
 "فکر مت کرو۔ ابھی ختم ہو جائے گی۔۔۔ دس بجنے والے ہیں۔ اتنی دیر تک کہاں ٹھہرنے والی ہے دھند۔"
 انہوں نے تسلی دیتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کی۔ لیکن یہ انکا خیال ہی رہا۔ آگے مزید دھند تیز ہو رہی تھی۔۔۔ چھٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دھواں ساز میں پہ گر رہا تھا۔ سڑک پہ لگے سائین بورڈ ز اور کنارے لگے درخت تک اوجھل ہونے لگے تھے۔ ہر طرف دھواں سا تھا۔ گاڑی کے سبھی شیشے گیلے ہونے لگے تھے۔ پانی کے قطروں نے ہر منظر دھندلانا شروع کر دی تھا۔ انہوں نے واپس چلا دئے۔۔۔

"خان کچھ دیر رک جاتے ہیں" بی بی نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں یار۔ کچھ نہیں ہوتا ابھی پہنچ جائیں گے" انہوں نے تسلی دی۔ لیکن اندر سے وہ خود بھی حیران تھے۔ ایسی دھند واقعی کبھی اس علاقے میں نہیں اتری تھی۔۔۔ پانچ قدموں کے فاصلے پر چیز دیکھنا محال تھا۔ کوئی گاڑی کراس کرتی سامنے جاتی تو ایسے غائب ہو جاتی جیسے آسمان نکل گیا ہو۔ نشان تک نظر نہ آتا۔ پھر بھی انہوں نے انتہائی کم رفتار پہ سفر جاری رکھا تھا۔
 "خان میری بات مانیں کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں۔۔۔"

جب سامنے کے منظر بالکل ہی غائب ہونے لگے تو بی بی نے پھر درخواست کی۔۔

”اب تو صرف آدھے گھنٹے کا سفر باقی رہا ہے۔۔ کیوں گھبراتی ہو؟ وہ دھیرے سے مسکرائے اور عین اسی وقت انہیں اپنے عین سامنے رکشہ نظر آیا تھا۔ رکشہ سواریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ بالکل اس کے قریب پہنچ چکے تھے

”خان جی“ بی بی چلا اٹھیں تھیں۔ امان خان نے رکشہ کو بچانے کے لئے تیزی سے اسٹیئرنگ گھمایا تھا اور گاڑی دائیں سائیڈ پہ ایک دم مڑی تھی۔ سامنے سے آتی جہازی سائز بس نے تیز لائنس سے اشارہ دیا تھا لیکن سپیڈ کم نہیں کی تھی۔۔ امان خان اس بار کچھ نہیں کر پائے تھے۔۔ گاڑی بس سے ٹکرا کے ہوا میں اچھلی تھی اور کسی بال کی طرح لڑھکتی روڈ سے نیچے جا گری تھی۔۔ دھند میں انسانی چیخوں کا کہرام سما چکا تھا۔۔ سر دھند میں موت کا دھواں گہرا ہونے لگا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

جیب کے بھاری ٹائروں کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ لحوں میں وہ مکمل طور پہ بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے دیکھا سبھی نفوس جبین کی نیند سو رہے تھے۔ یہ ہمیشہ سے تھا۔۔ اس کی نیند ہمیشہ سے کچی تھی۔۔ ذرا سے کھٹکے سے وہ بیدار ہو جاتی تھی۔ اس نے بیڈ سے اتر کر سلیپر پہنے۔۔ نیچے جیب نے کچھ الگ انداز سے تین بار ہارن دیا تھا۔۔ وہ اس مخصوص انداز کو سمجھ گئی تھی۔ آخر فوجی کی بیوی تھی۔۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر نیچے جھانکا۔۔ جیب کی تیز لائنس میں اس میں بیٹھے افراد کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔۔ وہ واپس بیڈ کی طرف آئی اور گہری نیند سوتے خان کی طرف آئی اور نرمی سے اسے پکارا، اس نے فوراً ہاتھ بڑھا کے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی اس بے اختیار حرکت پہ وہ مسکرا دی۔۔ وہ جب بھی نیند میں ڈر کے یابونہی اسے پکارتی وہ یونہی ہمیشہ اسے اپنے حصار میں لے لیا کرتا۔۔

”خان آپکے دوست آئے ہیں“ اس نے مسکراتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔۔ اس کی توقع کے مطابق اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں تھیں۔۔ جیب نے ایک بار پھر اسی مخصوص انداز میں ہارن دیا تھا۔ اس بار وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا اور موبائل اٹھایا۔۔ تین مسد کالز تھیں۔ اس نے فوراً کال بیک کیا پہلی ہی بیل پہ کال پک کر لی گئی۔۔

دوسری طرف سے کچھ دیر وہ توجہ سے سنتا پھر جلدی آنے کا کہہ کر کال بند کر دی۔ اس نے ادھر ادھر سندرے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔۔ البتہ سامنے صوفے پہ اس کے لئے کپڑے نکال کے رکھ گئی تھی۔۔ کتنا سمجھنے لگی تھی وہ اسے۔۔ وہ مسکرا دیا۔۔ اور کپڑے لے کے نہانے چلا گیا۔۔

تیار ہو کر باہر آیا تو سندرے سینڈ وچز باکس اور چائے کا تھرمس لئے اسکی منتظر تھی۔۔

”مجھے پتہ ہے آپ نے اتنی رات کو کچھ بھی کھانے سے منع کر دینا تھا اور آپ کے دوست بھی چائے تک پینے نہیں بیٹھیں گے۔۔

تجہی میں نے سوچا کچھ ایسا بنا دوں کہ راستے میں آرام سے آپ لوگ جب بھی بھوک لگے لے سکیں“ اس نے محبت سے اسے اس سامان کی

وضاحت دی تھی۔۔ وہ کچھ دیر یونہی محبت سے اسے دیکھتا رہا پھر دھیرے سے اسے بازو سے تھام کر خود میں سمولیا۔۔

محبوبوں کے حصار بھی کس قدر مضبوط ہوتے ہیں۔۔ روح و قلب تک کو سرشار سا کر دیتے ہیں۔۔ انسان کو خود سے زیادہ قیمتی پھر کوئی نہیں لگتا۔۔ اتنا انمول کر دیتے ہیں یہ محبت بھرے حصار۔۔

"تم کیا ہو سندرے؟!" اس نے سندرے کی صبح پیشانی پہ مہر محبت ثبت کی تھی۔ اس نے سکون سے آنکھیں موند لیں تھیں۔۔

"صرف آپ کی پریم داسی..... میں چاہتی ہوں خان۔۔ آپ بس سوچیں اور میں آپ کی خواہش پڑھ لوں۔۔ آپ کی چاہ جان جاؤں۔۔ اور بس خود مٹی ہو جاؤں مگر آپ کی راہ میں نہ آؤں" اس نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا

"تم نے عشق میں مجھے مات دے دی"

اس نے اعتراف کیا

"میں نے تو عشق سیکھا ہی آپ سے ہے خان" اس نے نظریں اٹھا کے اپنے بہادر سالار کو دیکھا تھا۔۔ جیپ نے ایک مرتبہ پھر ہارن دیا۔۔ وہ آہستہ سے اس سے الگ ہو گئی۔۔

"پہ ماخادے خا خان" اس نے مسکراتے ہوئے اسے الوداع کیا تھا۔۔ خان نے نرمی سے اس کے گال چھوئے تھے اور سامان اٹھا کے باہر نکل گیا تھا۔۔ سندرے کھڑکی کے پاس آئی اور پردہ ہٹا کے اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک گاڑی کی روشنیاں نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئیں۔۔

☆.....☆.....☆

ایکسیڈنٹ اس قدر شدید تھا کہ گاڑی مکمل طور پہ ڈنچ ہو گئی تھی۔۔ بس کی صرف فرنٹ سائیڈ متاثر ہوئی تھی۔۔ لیکن گاڑی مکمل تباہ ہو گئی تھی۔۔ کافی دیر کی۔ مشقت کے بعد خون میں لت پت لاشیں نکالنے میں کامیابی حاصل ہوئی تو لوگوں میں کہرام سا برپا ہو گیا۔۔ دونوں مرد و عورت جو ان تھے اور دونوں کے جسم بری طرح کچلے جا چکے تھے۔۔ صرف سر اور چہرہ کسی بھی چوٹ سے محفوظ رہے تھے۔۔ دھند ایک دم سے چھٹنے لگی تھی۔۔ علاقے کے لوگ امان خان کو پہچانتے تھے تبھی حویلی میں اطلاع کر دی گئی تھی۔۔ حویلی کے در و دیوار پہ گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔۔ داجی تو بے جان سے آنکھیں موند گئے تھے۔۔ ملازم ان کو بھی دیکھتے اور چیخنی چلاتی عرف کو بھی سنبھالتے۔۔ دکھ اور تکلیف سے خود انکی حالت خراب تھی لیکن وفاداری اور خلوص سے بھرے وہ لوگ اس وقت اپنے اپنے فرض عہدگی سے سنبھالے ہوئے تھے۔۔ مہربان خان بھی جائے حادثہ پہ پہنچ گئے تھے۔۔ انہوں نے فی الحال سب ملازموں کو سجان تک یہ خبر پہنچانے سے روک دیا تھا اور خود ہی سجان کے کل تک پہنچنے کے انتظامات کر دیئے تھے۔۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سجان بھی جلد بازی میں کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔۔

ایک ساتھ دو جوان لاشوں کے گاؤں میں آتے ہی قیامت سی بیدار ہوئی تھی۔۔ ہر آنکھ اٹکبا رہی تھی۔۔ سب کے چہروں پہ درد اور

تکلیف رقم تھی۔۔ امان اور بی بی دونوں ہی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے۔ ہمیشہ سب کے کام آنے والے۔۔ دوسروں کی پریشانی پہ پریشان ہونے والے۔۔ اس طرح ان دونوں کی اچانک موت سبھی کے لئے گہرا صدمہ تھی۔۔ سبھی نے سچے ہمدرد کھودے تھے اور اس بات کا ان کو ادراک بھی تھا اور افسوس بھی۔۔

اوپر سے معصوم سی عرف اور سدلیں۔۔ اس عمر میں ماں باپ دونوں کو کھودینے والے بد قسمت بچے۔۔ عرف تو کسی سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔۔ اور سدلیں مسلسل ماں بابا کی خاموش پڑی میتوں کو بار بار پکار کے انہیں مجبور کرتا کہ وہ بھی اسے جواب دیں۔۔ لیکن وہاں اب کون پکار سنتا۔۔ بے جان لاشیں تو خود کسی کے کندھے کی محتاج تھیں۔۔ اور داجی..... لرزتے کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے امان کے چہرے سے چادر ہٹائی تو زندگی میں پہلی بار انہیں معلوم ہوا تھا کہ موت تب نہیں آتی ہوگی جب انسان خود مرتا ہوگا۔۔ تب تو شاید کوئی احساس تک نہ بچتا ہوگا۔۔ موت تو اب آئی تھی۔۔ انہوں نے جیتے جی زندگی ہار دی تھی۔۔ پھر بھی بے وجود نہ ہو سکے تھے۔۔ زندہ تھے۔۔ سانسیں لے رہے تھے۔۔ اور پھر ضعیفی کی حدوں کو چھوتے داجی کو دھاڑیں مار مار کے روتا دیکھ کے کوئی بھی اپنے آنسو نہیں روک پایا تھا۔۔ امان کی چارپائی سے لگا سجان بھی نہیں..... جو جنازے سے کچھ دیر پہلے وہاں پہنچ پایا تھا.....

☆.....☆.....☆

وہ کیپ پہنتا اپنے خیمے سے باہر آیا تو جوان مستعد کھڑے اس کے منتظر تھے۔۔
"السلام علیکم سر!" اسکے باہر آتے ہی جوانوں نے شان سے اسے سلام کیا تھا۔ رات کی خاموشی میں ان کے بھاری بوٹوں کی چھنگاڑ گونج اٹھی تھی۔۔

"کیا حال ہے جوانو!" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"اے ون سر" سب نے گرجموشی سے جواب دیا

"تو تیار ہو؟"

"یس سر" انہوں نے اسی مستعدی سے جواب دیا۔۔ سالار نے گہری نظروں سے سب کا جائزہ لیا گیا۔۔ رات کے اس پہر بھی ان سب کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔۔ وہ مکمل طور پہ بیدار تھے اور چاک و چوبند بھی۔۔ اسے خوشی ہوئی فخر بھی۔۔ تبھی اس کے سیل پہ ہپ ہوئی تھی۔۔ اس نے ایک نظر موبائل کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔۔
"سر بھابی کامیج ہے؟" کیپٹن حسین نے شری لہجے میں کہا

"ہاں یار اور کس کی مجال جو اس وقت ہمیں تنگ کرے" حسین اس کا جو نیزہ تھا لیکن دونوں میں غضب کی دھبہ تھی۔۔ خود اس کی

بھی طبیعت ایسی تھی۔۔ اپنے سبھی سپاہیوں سے دوستی بنا کے رکھتا تھا۔۔ تبھی اس کی ساری پلاٹون اس پہ جان چھڑکتی تھی۔۔

"اوہ! مطلب اب بھابی کے میسجز سے آپ تنگ ہوتے ہیں۔۔ لگتا ہے خبر پہنچانی ہوگی" حسین نے اس کی بات سے از خود مطلب نکالتے ہوئے کہا۔۔ سالار کا قہقہہ جاندار تھا۔۔

"آزما کے دیکھ لو۔ مجھے تو کچھ نہیں ہونا لگتا تمہارے خلاف مجھے ہوشیار کر دے گی کہ یہ آپ کے خلاف بولتا ہے محتاط رہو" اس کی بات پہ سب ہنسنے لگے تھے۔۔

"ویسے ریلی یو آر کی یار۔۔ کس طرح بھابی تمہارا ساتھ دیتی ہیں، ہم سب کا خیال رکھتی ہیں۔۔ قابل ستائش ہے" حسین نے دل سے کہا۔

"بالکل خوش نصیب تو میں ہوں" اس نے بھی مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔۔

"اچھا پراگر لیس کیا ہے جو اد احمد" اس نے ایک اور نوجوان کو مخاطب کیا

"سر" وہ مستعدی سے آگے آیا۔

"سر۔۔ گاؤں کے آخری سرے پہ تل (نہر نما مقام جہاں سیلابی پانی جمع کیا جاتا ہے اور جو عام دنوں میں خشک ہی رہتا ہے) کے قریب کچھ مشکوک ایکٹیوٹیس دیکھی گئی ہیں۔ کچھ مشکوک لوگوں کی وہاں موجودگی کی بھی اطلاع دی ہے ہمارے آدمیوں نے۔۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"تل کے قریب کوئی اہم سرکاری عمارت؟؟" اس نے سوچتے ہوئے پوچھا

"سر بوائز کالج ہے۔۔ اس سے کچھ فاصلے پہ پھر ایک پرائیویٹ کلینک" ایک نوجوان نے بتایا

"گڈ" اسے خوشی تھی اس کے ماتحت ہر لحاظ سے ہوشیار تھے۔۔

"سوکپٹین حسین! تم کچھ لوگوں کے ساتھ مل کے ہمیں بیک دو گے مطلب ان دو جگہوں کو بھی کور کرو گے تاکہ اس طرف وہ کوئی فوری انتقامی کارروائی نہ کر سکیں" اس نے حکم دیا

"سر" حسین نے فوراً سیلوٹ مارا

"میں اور کچھ جوان ڈائریکٹ حملہ کریں گے۔ جو اد احمد تم میرے ساتھ رہو گے۔۔ تمہیں ایگزیکٹ جگہ اور ارد گرد کی ساری پوزیشن معلوم ہے ناں اچھی طرح۔؟" اس نے جو اد سے پوچھا

"لیس سر۔" اس نے بھی فوراً جواب دیا

"یاد رہے ہمیں اس مقام سے کافی آگے اپنی چپس چھوڑ دینی ہیں۔۔ کلنیر۔۔؟" اس نے سب جوانوں سے پوچھا

"یس سر" سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا
 "سولیس موو" حکم ملتے ہی وہ سب اپنی پوزیشنز کی طرف بڑھ گئے۔۔ سالار اور اس کی ٹیم جیپ میں سوار ہو چکی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کچھ ایسا بھی ہو سکتا تھا..... ہو جائے گا..... وہ اپنی آنکھوں سے ماں باپ کا مردہ، بے جان وجود دیکھ
 چکی تھی پھر بھی ابھی تک بے یقین تھی۔۔

ذس کی آنکھوں کے سامنے چاچا، سحان لالا اور دوسرے لوگ چار پائیوں پہ بے حس و حرکت پڑے وجود کو اٹھا کر منوں مٹی تلے دفن
 آئے تھے۔۔ اور وہ اب بھی ہلکی سی آہٹ پہ یوں مچل جاتی کہ جیسے ابھی کہیں سے امی بابا اٹھ کے آجائیں گے۔۔ موت یوں اچانک کسی کو
 ایک دم چھین لیتی ہے۔۔ اس معصوم نے آج جانا تھا۔

ابھی تو اسے زندگی کے سیاہ پہلوؤں سے آگاہی ہوئی تھی۔۔ زندگی میں پہلی بار اسے رشتوں سے خوف اور رشتوں کی پناہ کا
 مطلب سمجھ آیا تھا۔۔

وہ تو منتظر تھی۔۔ کہ ماں بابا آئیں گے۔۔ وہ ان کی پناہ میں خود کو چھپالے گی۔۔ پھر کوئی اسے ڈرانہ سکے گا نہ ہی وہ کسی سے
 خوفزدہ ہوگی۔۔

لیکن یہ کیا ہو گیا تھا۔۔؟؟؟

پناہ گاہ ہی اجڑ گئی تھی۔۔

سانبان ایک دم سے سخت تپتی دھوپ میں تبدیل ہو گیا تھا۔۔

خوف ہی خوف باقی رہ گیا تھا۔۔

ان تین دنوں میں امی بابا کی موت کے دکھ کے جاں گسل احساس کے بعد اگر اسے کچھ یاد تھا تو سحان لالا کا خوف۔۔ امی بابا کے
 گھر سے ہمیشہ کے لئے چلے جانے کے بعد اسے ایک دم ہی سحان لالا کی لودیتی نگاہوں کی تپش نہ صرف محسوس ہونے لگی تھی بلکہ اس کی
 روح تک کو جلانے لگی تھی۔۔ اس نے اماں کی بڑی سی چادر لے لی تھی۔۔

"بیجاری۔۔ ماں کی چادر میں اس کا لمس ڈھونڈ رہی ہے" عورتیں مزید افسوس کرتیں۔۔ اور وہ سن کے مزید زخم زخم ہو
 جاتی۔۔ کسے بتاتی کہ وہ ماں کا لمس نہیں، وہی پناہ ڈھونڈ رہی ہے۔۔ شاید کہ ڈھکا وجود ان بھوکے نظروں سے بچ جائے۔۔

حادثے کو ہفتے گزر گئے تھے۔۔ مہربان خان اور سحان زندگی کی طرف واپس لوٹ چکے تھے۔۔ خاموش سے حاجی مزید چپ ہو
 گئے تھے۔۔ ننھا سدیس آنے والے نئے مہمان اور اپنے سکول میں مگن جلد ماں بابا کے حوالے سے کیے جانے والے سوال بھولنے لگا۔۔

ایک عرف تھی جو نہ ماں بابا کی پناہ گاہ جیسا سلس نہیں بھول پارہی تھی۔۔۔ نہ ہی سجان کی بدلی بدلی نظروں کو نظر انداز کر پارہی تھی۔۔۔ اسے یقین ہو چلا تھا۔۔۔ سجان اب ایک آسیب تھا جو کسی وقت بھی موقع دیکھ کر اس پر سوار ہو سکتا تھا۔۔۔ اور اس موقع سے بچنے کے لئے وہ اپنے ہی گھر میں چھپی چھپی پھرتی تھی۔۔۔ ہوشیاری۔۔۔ سجان جب تک گھر نہ ہوتا وہ سکھ کا سانس لیتی۔ ایگزیمز کی تیاری کرتی۔۔۔ اور جو نبی گھر کے گیراج میں اس کی گاڑی کی آواز گونجتی،، وہ کسی کونے کھدرے میں چھپ جاتی۔۔۔ سجان اسے بار بار پوچھتا اور کوئل بھابی اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک جاتی تھیں۔۔۔ لیکن وہ کبھی سامنے نہ آ کے دیتی۔ سجان ساری بھڑاس بھابی پہ نکال دیتے اور بھابی صبح پھر اس کے سامنے آتے ہی اسے سمجھاتی کہ زندگی موت تو اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔۔۔ ایسے میں زندہ لوگوں سے یوں فاصلے بڑھا لینا بالکل بھی ٹھیک نہیں۔۔۔ اور عرف..... اسے اس معصوم سی عورت پہ بے انتہا پیار آتا..... اور ترس بھی۔۔۔ انہیں بھی شاید ابھی رشتوں کے کالے چہروں کا علم نہیں تھا۔۔۔ ورنہ وہ بھی ضرور گھبراتیں۔۔۔ بلکہ اسے خود کتنے پردوں میں چھپا لیتیں۔۔۔ کہ سجان لاکھ کوشش کے باوجود بھی اسے ڈھونڈ نہ پاتا۔۔۔

"اور کوئل بھابی ہی کیوں نہیں....." اسے اچانک ہی خیال آیا تھا۔۔۔ وہ غور سے انکا خوبصورت چہرہ دیکھنے لگی

وہ آخر ایک عورت تھیں۔۔۔ امی کے بھی بہت قریب تھیں۔۔۔ خود بھی کافی حساس تھیں۔۔۔ وہ ضرور اسے سمجھ سکتی تھیں۔۔۔ انہیں اسے سمجھنا چاہئے۔۔۔ وہ پرسوج نظروں سے انہیں دیکھے گی۔۔۔

"عرف۔۔۔ کیوں پریشان ہو۔۔۔؟؟ بھابی اسے یوں خود کو تکتا پا کے پریشان ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے اس کا کوئل سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ وہ بری طرح چوکنی تھی.....

☆.....☆.....☆

یہ علاقہ چونکہ علاقہ غیر سمجھا جاتا تھا۔۔۔ سو یہاں سرشام ہی گلیاں سنسان ہو جایا کرتیں۔۔۔ شام کی اذان کے بعد لوگ مسجد جاتے تو عشاء کی نماز پڑھ کے ہی نکلتے اور پھر گھروں میں قید ہو جاتے۔۔۔ یہاں ویسے بھی خاندانی دشمنیوں میں سر راہ قتل کر دینا عام تھا۔۔۔ لیکن ملک میں اٹھنے والی دہشت گردی کی لہر نے اس چھوٹے سے علاقے کو بھی نہیں بخشا تھا۔۔۔ سرکاری اہلکاروں اور زمینداروں کا انغواء برائے تاوان اور انغواء کے بعد قتل یہاں بھی عام ہو چکا تھا۔۔۔ تبھی پاک آرمی نے اس علاقے کی صفائی کا بھی بیڑا اٹھایا تھا۔۔۔ اور اوپر تلے کئی کامیاب آپریشن کر کے نہ صرف ملک دشمن عناصر کا خاتمہ کیا تھا بلکہ کئی بڑے دہشت گردوں کو اسی چھوٹے سے علاقے سے گرفتار کیا گیا تھا۔۔۔

وہ رات کے پچھلے پہر آپریشن کے لیے نکلے تھے۔۔۔ گلیاں سنسان تھیں لیکن پھر بھی انہوں نے گاؤں کا خارجی راستہ اختیار کیا تھا جو صرف چرواہے اپنے مال مویشی چرانے کے لئے استعمال کرتے تھے۔۔۔ یہ راستہ ہموار نہیں تھا تبھی انہوں نے جیپ کا استعمال کیا تھا۔۔۔ تل سے کچھ فاصلے پہ ہی بار بار لائٹس جلتی بھیجتی دکھائی دی تو سالار نے فوراً رکنے کا سائن دے دیا۔۔۔ سائن ملتے ہی جوان مستعدی سے گاڑیوں سے اتر کے اس کے قریب مؤدب انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔۔۔

"جواد احمد سرکاری عمارات کس طرف ہیں؟" اس نے جواد کو مخاطب کیا
"سراسر طرف۔۔" اس نے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔۔

"اس طرف حسین پوزیشن پہ ہے۔۔ سو ہم لوگ باقی تین طرف سے جائیں گے۔۔ جواد تم لیفٹ سائیڈ کو کور کرو گے۔۔ حماد پیچھے سے اور فرنٹ سے میں جاؤں گا۔۔ تم لوگ جاؤ۔۔ اور پوزیشنز سنبھالتے ہی ہمیں اشارہ دو گے ہم اس کے بعد ہی حملہ کریں گے۔۔ سب کی کوشش یہی ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ دہشت گرد گرفتار ہوں ہلاک نہیں۔۔ یہ ہمارے لئے آگے مزید آپریشنز میں معاون ثابت ہوں گے۔۔ ناؤ ایوری تھنگ از کلئیر؟....." اس نے تفصیلی ہدایات دیتے ہوئے پوچھا
"یس سر" جواد اور حماد نے ہی جواب دیا تھا۔۔

"اللہ کے حوالے" اس کی اجازت پاتے ہی وہ سب بجلی کی سی تیزی سے اپنی پوزیشنز کی طرف بڑھے تھے۔۔ اور سالار نے ذرا آگے ہو کے اپنی پوزیشن سنبھال لی۔۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس کی ساری ٹیم نے مل کر دھاوا بول دیا تھا۔ سالار ہمیشہ کی طرح خود سامنے رہا تھا۔ ایک گھنٹے کی شدید لڑائی کے بعد آپریشن کامیاب ہوا تھا۔۔ دو سپاہیوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔۔ وہ پیچھے کی طرف سے اندر گھس گئے تھے اور پانچ دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا تھا۔۔ چھ دہشت گرد گرفتار کر لیے گئے۔۔ اور بڑی مقدار میں اسلحہ بھی برآمد کر لیا گیا تھا.....
فجر کے قریب علاقہ اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا تھا.....

☆.....☆.....☆

بالکل قریب کسی کتے کے بھونکنے کی آواز پہ وہ بری طرح چونکی تھی۔۔ ماضی کی گرد زرا دیر کو تھی تو اسے ہوش آیا۔۔ دن ڈھلنے کو تھا اور وہ ابھی تک سدیس کی قبر کے پاس بیٹھی تھی۔۔
"اف! اتنی دیر ہوگئی۔۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

قبرستان کے بالکل پیچوں بیچ کافی کھلے میدان میں چھوٹی بڑی قبروں کے درمیان بنی اس قبر کو خدا حافظ کہتی وہ واپسی کے لئے مڑی تو شام پر پھیلا رہی تھی۔۔ روشنی اپنے آخری دموں پہ تھی۔ قبرستان سے مین روڈ تک درمیان میں سفیدے اور کیکر کا کافی گھنا جنگل آتا تھا۔ اس سے ہو کر پھر مین روڈ تک کچھ ہرا بھرا قبر اور پھر صاف ستھری پکی سڑک۔۔ اسے دیر ہوگئی تھی تبھی اندھیرے اور سنسان جگہ کا خوف اس پہ ایک دم غالب آنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے قبرستان سے باہر جانے والے راستے پہ مڑ گئی۔۔ یہاں شام کے بعد ویسے بھی ٹیکسی وغیرہ کا ملنا محال ہوتا اور پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کرنا بے حد مشکل بات تھی وہ بھی خاص کر اس وقت۔۔ تھکے ہارے مزدور اور دوسرے پیشہ ور لوگ گھروں کو جلدی پہنچنے کے لئے چھتوں تک سے لٹک رہے ہوتے۔۔ دروازے تک میں مسافر لہرا رہے ہوتے تھے ایسی صورت میں اسے سوچتے ہی جھر جھری سی آجاتی تھی۔۔

تیز تیز قدموں سے تقریباً بھاگتے ہوئے وہ سفیدے کے درختوں کے جھنڈ سے نکلنے ہی لگی تھی جب اچانک ہی اسے احساس ہوا کوئی اس کے پیچھے تھا۔ عرف کی کمر میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ گلے میں بے اختیار جنم لینے والی چیخ کا گلابایا گیا۔ اس طرح چیختا دیکھ کے تو وہ نامعلوم مزید شیر ہو سکتا تھا۔ اس کے رکتے ہی پیچھے آنے والا بھی رک چکا تھا۔ وہ منہ پہ ہاتھ رکھے تیزی سے پلٹی تھی اور اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکل ہی گئی تھی۔ وہ کوئی اور نہیں عارفین تھا۔ عرف اسے دیکھتے ہی چیخ اٹھی تھی۔ شاید اندر کا خوف کم کرنے کے لئے کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

"حد ہوتی ہے۔۔۔ یہ کیا طریقہ ہے۔۔۔ جان نکال کے رکھ دی تم نے میری" وہ بلا لحاظ غصے سے بولتی چلی گئی۔

"اس میں جان نکالنے کی کیا بات۔۔۔ میں تو یہاں کسی دوست کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے آیا تھا۔ آپ کو دیکھا تو۔ مجھے لگا کہ آپ کو ڈر لگ رہا ہے تو بس اس لیے آپ کے پیچھے چل دیا" کمال معصومیت سے بتایا گیا

"اوہ۔ آپ کو لگا کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے تو آپ نے سوچا کہ مزید بھی ڈرانا چاہیے..... ہے ناں؟" اسے مزید غصہ آنے لگا

"حیرت ہے آپ تو انسان کا اندر پڑھ لیتی ہیں" مسکراتے ہوئے تعریف کی گئی۔

"بالکل۔۔۔ اور میں اور بھی کئی کام کر سکتی ہوں۔۔۔ آپ کو ابھی جہنم رسید بھی کر سکتی ہوں" وہ تملائی۔۔۔ عارفین کی آنکھیں خوف سے پوری کھل گئیں۔

"سچ میں؟" اس کے لہجے میں بے یقینی تھی

"جہنم جا کے چین آئے گا کیا تمہیں؟" اس نے دانت کچکپائے

"آپ کے ہاتھوں سے قتل ہو جاؤں یہ بھی کوئی کم اعزاز ہے کیا۔۔۔" سادہ لہجے میں مزید آگ بھڑکائی

"لیکن ایک بات یاد رہے۔۔۔ جہنم نہیں بھیج سکو گی آپ" مسکراہٹ گہری ہوئی

"وہ کیوں" سوالیہ نظروں سے گھورا گیا۔ وہ دو قدم اس کے قریب آیا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے اپنے سینے پہ ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

"فوجی جو ہوں" فخر سا تھا اس کے لہجے میں۔۔۔ عرف ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔ اس شخص میں نہ جانے کیا تھا جو ہر دفعہ وہ پسپا

سی ہو جاتی تھی۔۔۔

"اب کہیں تو آپ کو بھی گھر تک چھوڑ سکتا ہوں۔ اتفاق سے آج کل میں بھی وہیں رہتا ہوں" اس کی چمکدار آنکھیں بھی جیسے

اس کے جواب کی منتظر تھیں۔۔۔

"ہاں۔۔۔ لیکن یہ لاسٹ ٹائم۔۔۔ اس کے بعد میں کبھی تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی نہ تم اس طرح میرے پیچھے آؤ گے؟" اس نے

ہار مانتے ہوئے قدم بڑھائے تھے۔

”میں نے بتایا ناں کہ میں فاتحہ پڑھنے۔۔“ وہ کہنے لگا کہ عرف بھاگ کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔۔ مطلب اسے مزید کوئی بات نہیں کرنا تھی۔۔ وہ کھل کے مسکرا دیا تھا.....

☆.....☆.....☆

رات کے آخری پہر شدید پیاس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔۔ اس نے سائیڈ پہ پڑا جگ دیکھا وہ خالی تھا۔۔ اس وقت کمرے سے باہر جانا..... جب سے امی بابا کی موت ہوئی تھی،، وہ اس وقت کبھی کمرے سے نہیں نکلتی تھی جب سبحان گھر پہ ہوتا تھا۔۔ کمرہ بھی اندر سے لاک رکھتی تھی۔ اور اب اس وقت۔۔

اس نے کچھ دیر دوبارہ سونے کی کوشش کی لیکن حلق میں جیسے کانٹے سے اگ آئے تھے۔۔ اسے ناچار اٹھنا ہی پڑا۔۔ ویسے بھی آدھی رات سے اوپر کا وقت ہو چلا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کے باہر کسی کے نہ ہونے کا یقین کیا اور پھر آہستہ سے باہر نکل کے کچن کی طرف بڑھ گئی۔۔

سبحان لا لاکا کمرہ ویسے بھی نیچے تھا۔۔ ان کے کمرے کا دروازہ بھی اگر کھلتا تو اسے آواز آ ہی جاتی اور وہ آسانی سے اپنے کمرے تک بھاگ سکتی تھی۔۔

اس نے پانی جگ میں ڈالا اور پھر گلاس میں ڈال کے وہیں کھڑے ہو کے جلدی جلدی گھونٹ بھرنے لگی۔۔ ابھی اس نے آدھا گلاس ہی خالی کیا تھا کہ ایک دم کچھ احساس سا ہوا۔ وہ گلاس شیڈ پہ رکھ کے تیزی سے مڑی تھی اور اگلے ہی لمحے پانی سے بھرا جگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے زوردار آواز سے زمین بوس ہو چکا تھا۔۔ دروازے میں کھڑے اس بھیڑیئے نے ایک غصیلی نگاہ اس کے کمزور وجود پہ ڈالی تھی اور دروازے سے ہٹ گیا تھا۔۔ چند لمحوں میں ہی اماں بوا اور کوئل بھابی دوڑتی ہوئی وہاں آئی تھیں۔۔ اور عرف کی خیریت دریافت کرنے لگی تھیں۔ جو خوف سے اب بت بنی کھڑی تھی۔ وہ اپنے ہی گھر میں محفوظ نہیں تھی۔ اور یہ بات اس کی روح تک کو چھید گئی تھی.....



ناول ”تومن شدی“ ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

میں یادوں کی سولی پہ موت کی سانسیں لیتے ہیں۔

ان کے لیے کچھ انمول جو ہوتا ہے اسی رات میں۔۔

پردہ.....!!!

آنسوؤں کا پردہ.....

درد کا پردہ.....

ضبط کے ٹوٹنے کا پردہ.....

تب وہ ہر چیز ہر ذمہ داری بھول جاتے ہیں۔۔

پل پل روتے ہیں.....

پکارتے ہیں۔۔

مجھڑنے والوں کو.....

کھونے والوں کو.....

موت کے پردے میں ہمیشہ کے لئے گم ہو جانے والوں کو.....

وہ بھی تو ایسے نیر و نیر ہوئی تھی۔۔

لیرو لیر ہونے کو تھی.....

اتنی بڑی حویلی میں وہ ننھی سی چڑیا..... طاقت پہ بیٹھے گدھ کی خونی نظروں سے اچھی طرح واقف تھی۔۔ تبھی سہمی سی تھی۔۔

اپنے ہی گھونسلے میں ہلکی سی آہٹ پہ وہ پھڑ پھڑا کے رہ جاتی تھی۔۔

وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔۔

جتنی اس کی عمر تھی اس کی بات پہ کون یقین کرتا۔۔ اور پھر سب کی آنکھوں پہ بندھی محبت، اعتماد اور رشتے کی مضبوط پٹی..... کون

بھلا یہ بات مانتا کہ سجان خان جیسا جلالی انسان اس قدر گریہ بھی سکتا ہے۔۔ پٹھان کا خون.....

اس قدر رز دل بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی داجی کا خون۔۔

داجی جیسے پرہیزگار اور نیک آدمی کی تو دور دور تک ایک پہچان تھی۔۔ وہ تو دوسروں کے دکھ درد میں ان کے ساتھ کھڑے

ہوتے۔۔ اور تب تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک ان کے مسائل کا کوئی حل نہ نکال لیتے۔۔ وہ بھلا کیسے ان کو بتاتی کہ ان کی پناہ میں ان کی

اپنی ہی پوتی ایک ہوس پرست کی بھوک کا نوالہ بننے لگی ہے۔۔

راتیں کچھ آسان تو دن بے حد مشکل ہونے لگے تھے۔۔۔ رات کو تو وہ کھڑکیاں دروازے بند کر کے خود کو بچالیتی لیکن دن میں۔۔۔ دن میں سحان خان کوئی نہ کوئی موقع ڈھونڈ ہی لیتا اس کے قریب آنے کا۔۔۔ اور وہ سارا دن بس اسی موقع سے بچتی رہی۔۔۔

داجی نے اس کے دکھ کا بوجھ کچھ ہلکا کرنے اور اسے مصروف کرنے کے لئے اس کا داخلہ ساتھ والے بڑے گاؤں کے کالج میں کروایا تو وہ بھی جیسے جی اٹھی تھی۔۔۔ دن آسان ہونے کی امید سی ہاتھ لگی تھی۔

لیکن یہ امید بھی اس وقت دم توڑ گئی تھی جب وہ پہلی بار خوشی خوشی تیار ہو کر گیراج میں آئی تھی کالج جانے کے لیے اور گاڑی میں بیٹھے شیطانی مسکراہٹ سجائے سحان لالا اس کے منتظر تھے۔ وہ سہم کے گاڑی سے کچھ قدم پیچھے ہٹی تھی۔۔۔

"آؤ۔۔۔ بیٹھو" وہ جو ڈرائیونگ سیٹ پہ اس کے منتظر تھے اسے یوں پیچھے ہٹے دیکھ کے فوراً نیچے اتر کے اس کی طرف آئے تھے۔۔۔ وہ ان کو یوں اپنی طرف آتا دیکھ کے مزید پیچھے ہٹی تھی۔۔۔

"عرف....." وہ اس کے مزید قریب ہوئے تھے وہ گیراج کے چوڑے ستون سے جا لگی تھی۔۔۔

"اتنا کیوں ڈرتی ہو مجھ سے۔۔۔" اب ان کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا تھا۔۔۔ آنکھوں میں سرخی اور لہجے میں کڑواہٹ سی گل گئی تھی۔۔۔ عرف کی روح تک کانپ گئی تھی۔۔۔

"تم کیا سوچ رہی ہو۔۔۔ مجھ سے کہیں خود کو چھپا لوگی" اس نے کمزوری کلائی دبوچی تھی۔۔۔ وحشی پنجنے نے چڑیا کی نازک کھال چھیل کے رکھ دی تھی۔ وہ سسک اٹھی

"تمہیں کیا لگتا ہے عرف اتنا سنہری موقع میں ہاتھ سے جانے دوں گا۔۔۔" گھنی مونچھوں تلے سخت لب شیطانی مسکراہٹ سے پورے کھل گئے۔۔۔

"کہاں ایک دید کی پیاس اور کہاں روز تمہارا ساتھ..... تمہارا قرب۔۔۔ قسم سے میرا سینہ جلنے لگا ہے تمہارے عشق کی تپش سے۔۔۔ وصال عطا کرو کہ ٹھنڈک نصیب ہو" کال کا اندھیرا ایک دم چھایا تھا۔۔۔ وہ اس پہ جھکا تھا۔۔۔ اور عرف کو لگا تھا۔۔۔ کالج، پڑھائی سب کچھ بھی نہیں۔۔۔ متاع ہے تو عزت۔۔۔ اور عزت بچانے کا بس یہی وقت تھا۔۔۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔۔۔ اس میں نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آگئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ سحان کے سینے پہ جما کے زور سے دھکا دیا تھا۔۔۔ وہ اس حملے کی قطعاً توقع نہیں رکھتا تھا تبھی بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے دور ہوا تھا اور یہی وقت کافی تھی عرف کو اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے۔۔۔ وہ بیگ وہیں چھوڑتی جو کب کا اس کے ہاتھ سے گر کر زمین پہ پڑا تھا۔۔۔ تیز قدموں سے بھاگتی اپنے کمرے میں آگئی اور کانپتے ہاتھوں سے لاک لگا دیا۔۔۔ سحان بھی تیزی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔۔۔ دروازے پہ ہلکی سی دستک نے بھی عرف کی جان نکال دی تھی۔۔۔ "عرف! دروازہ کھولو۔۔۔" دوستانہ لہجے میں کہتے وہ دروازہ ہجرا رہے تھے۔۔۔ عرف دروازے پہ باؤ ڈالے کھڑی رہی یوں جیسے اس ہلکی سی دستک سے بھی دروازہ ٹوٹ یا کھل جائے گا۔۔۔

"یہ کیا بچپنا ہے عرف؟؟" وہ اب ناراض تھے

"کیا ہوا ہے۔۔؟؟" کول بھابی کی نرم آواز پہ اس کا دھک دھک کرتے دل کو ڈھارس سی ہوئی.....

"کمال کرتی ہے یہ لڑکی۔۔ کہہ رہی ہے کالج نہیں جانا" سبحان کی بات پہ بے اختیار اس کا سرفنی میں ہلا جیسے وہ اسے دیکھ رہے

ہوں اس کے سامنے ہیں۔۔

"حیرت ہے۔۔" کول کی حیران آواز سنائی دی۔۔

"کل تک تو اتنی ایکسانڈتھی کالج کو لے کر۔۔ سارا دن تیار یوں میں مصروف رہی۔۔" وہ واقعی اس کے اس اچانک عمل پہ

حیران تھیں۔ اس بار سبحان خاموش رہے تھے۔۔

"خیر آپ جائیں۔ آپ کو دیر ہو رہی ہے۔۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔۔" انہوں نے کہا تو شاید سبحان کو ان کی بات ماننے ہی پڑی

تھی کیونکہ عرف نے اگلے ہی لمحے انکے بھاری بوٹوں کی آواز کو دور جاتے سنا تھا۔۔

"عرف" کول نے ان کے جاتے ہی دروازے پہ ہلکی اسی دستک دی تھی۔ اور اگلے ہی لمحے دروازہ کھلتا دیکھ کے وہ حیران رہ

گئیں تھیں۔۔ عرف نے نہ صرف دروازہ کھول دیا تھا سبحان کے جاتے ہی بلکہ باہر آ کر بری طرح کول سے لپٹ گئی تھی۔ وہ بری طرح

خوفزدہ تھی اور جس طرح وہ خوفزدہ تھی۔۔ کول ایک عورت ہونے کے ناطے فوراً سمجھ گئی تھی۔ اور اس ادراک نے اس کی روح تک کو بھنجھوڑ کر

رکھ دیا تھا..... عرف اپنے ہی گھر میں خوفزدہ تھی۔۔ کل رات بہت دیر تک وہ کول بھابی سے خوشی خوشی کالج کے پہلے دن کے بارے میں

بات کرتی رہی تھی کہ کیسا ہوگا پہلا دن؟؟ سب لڑکیاں کیسی ہوں گی؟؟ میں اس بار بھی سب سے اچھا رزلٹ لاؤں گی..... وغیرہ وغیرہ لیکن

اب ایک دم سے اس کا ایسا برتاؤ..... وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اسے سمجھ آ رہا تھا۔۔ وہ عرف کو خود سے لگائے اندر آ گئی اور دروازہ بند کر

دیا۔ عرف ابھی تک اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے عرف کے نرم گال سہلاتے ہوئے اسے بیڈ پہ بٹھایا۔۔ پھر خود کھڑکی کے قریب

آٹھری۔۔ ذرا سا پردہ کھسکا کے دیکھا۔۔ سبحان گاڑی کا دروازہ کھولے عجیب مضطرب سا ٹھہرا تھا۔ شش و پنج میں مبتلا سا۔۔ جائے نہ

جائے۔۔ وہ ہلکی سی درز سے انہیں دیکھتی رہی۔۔ پھر اس نے سر اٹھایا تھا اور اسی کھڑکی کی طرف دیکھا تھا۔۔ زور سے نچلا لب دانتوں میں

کچلا تھا۔۔ کول کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔۔ سبحان کی گاڑی گیٹ سے نکلنے تک وہ وہیں کھڑی رہی اور عرف سر گھٹنوں میں دیئے بیڈ

پہ..... کول دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب آئی۔۔ اسے اپنا ایک ایک قدم منوں بھاری محسوس ہو رہا تھا۔۔ بڑی مشکل سے اس نے یہ

چند قدموں کا فاصلہ طے کیا تھا۔۔ اور عرف کے قریب ہی بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔۔

"عرف....." انہوں نے دھیرے سے پکارا تو وہ سر اٹھا کے نم آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔۔

"کچھ باتیں کبھی نہیں چھپانی چاہئیں۔۔ فوراً کسی نہ کسی سے شہیر کر لینی چاہئیں" ان کا لہجہ بھی بھینگے لگا تھا۔۔

”آپ۔۔“ عرف بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ تو کیا کول بھابی بنا بتائے اس کی مشکل سمجھ گئی تھیں۔
 ”ہاں“ وہ نم آنکھوں سے اداسی بھری مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے بولیں۔۔

”پتہ ہے۔۔ جیسے ماں بہن اپنی بیٹی، بہن کا درد، خوشی، خوف بنا بولے سمجھ لیتی ہیں بالکل ایسے ایک عورت دوسری عورت کی آنکھوں میں اپنے مرد کے لئے کوئی بھی جذبہ لہجوں میں جانچ لیتی ہے..... پھر چاہے وہ جذبہ محبت ہو، نفرت ہو یا اس کے خوف کا۔۔“ ان کی نظریں جھک سی گئیں تھیں۔۔ جیسے انہیں اب اپنے اور سبحان کے رشتے پہ شرمندگی محسوس ہو رہی ہو۔ عرف کو انجانا سادکھ گھیرنے لگا۔ کول بھابی جیسی شفاف اجلی شخصیت کی عورت کس قدر رذیل انسان کے ساتھ زندگی گزارنے پہ مجبور تھی۔ وہ تو پھر بھی کسی نہ کسی صورت اس شخص سے جان بچا سکتی تھی لیکن کول بھابی..... ان کا تو زندگی بھر کا سودا تھا۔ آرتھانہ پار..... پاتال کا سمندر جس میں ساری عمر خاموشی سے اب ان کا بے جان وجود تیرتے رہنا تھا۔ مرد کی اصلیت اگر سیاہ ہو تو عورت ایسی ہے جان ہی تو ہو جاتی ہے۔۔
 سانسیں آتی ہیں مگر موت کی سیلن ساتھ لیے..... دل دھڑکتا ہے لیکن کسی کے لمس کی بد بول لیے..... کفن کے بغیر زندہ لاش ہو جاتی ہے ایسی عورت.....“

تم پریشان نہ ہونا عرف۔۔ اب سے میں تمہارے ساتھ سائے کی طرح رہوں گی۔ تم میرے پاس کا کا کی کی امانت ہو اور میں مگر بھی اس امانت میں خیانت نہیں کرنے دوں گی ”عرف کو ساتھ لگاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ایک بے بس سا آنسو پلکوں کی باڑھ توڑتا ان کے صبح گال پہ لڑھکتا چلا گیا.....

☆.....☆.....☆

”تم سکول نہیں جا رہی؟“ وہ ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی جب داجی نے اسے مخاطب کیا۔ وہ خاموشی سے کام میں جتی رہی۔۔ سیڑھیوں سے اترتے عارفین نے گہری نظروں سے اس کے خوبصورت سادہ روپ کو اپنے دل میں جذب کیا تھا۔۔
 ”کل بھی میڈم کی کال آئی تھی۔ تمہارا پوچھ رہیں تھیں۔۔“ وہ برتن اٹھا کے جانے لگی جب وہ اچانک اس کے سامنے آیا تھا۔ عرف نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔۔

”داجی کچھ پوچھ رہے ہیں؟“ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مضبوط تنی رگوں والے ہاتھ سینے پہ بندھے تھے۔ وہ زیادہ دیر اس کی نگاہوں میں نہ دیکھ سکی اور داجی کی طرف رخ پھیر گئی ”میں اب سکول کی جاب نہیں کروں گی۔۔“ اس نے ٹرے واپس ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔۔ پیچھے کھڑے وجود کا احساس الگ دل دھڑکا رہا تھا۔

”چھوڑ دی۔۔“ داجی بری طرح چونکے۔ ”لیکن کب..... کیوں۔۔؟“ ”سدلیس کے بعد۔۔ اب میرا دل نہیں کرتا اس کا لہجہ آنکھیں بھیگنے لگا تھا۔۔“ عرف ”داجی نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ تو خود انکا سہارا بنی تھی اور اب خود ہی بکھرنے لگی تھی

"مجھے اب ضرورت نہیں رہی داجی۔۔۔ مجھے کچھ اور کرنا ہے اب۔۔۔ سدیس کے لیے۔۔۔ اس جیسے دوسرے کئی بچوں کے لیے۔ جن کی آنکھوں کے خواب یا نوچ لیے جاتے ہیں یا سلا دئے جاتے ہیں ابدی نیند۔۔۔"

اس کی آواز کے ساتھ ساتھ اسکی آنکھوں میں بھی عزم جھلکنے لگا تھا۔ داجی کی نظروں میں در آنے والی حیرانگی اب محبت اور فخر میں بدلنے لگی تھی۔۔۔

"پھر بھی آپ کو ایک بار تو داجی سے مشورہ کرنا چاہئے تھا" عارفین نے داجی کے یوں خاموش رہنے کا کچھ اور ہی مطلب نکالا تھا۔۔۔

"نہیں عارفین بچے! عرف نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔۔۔ چھوٹے راستے سے بڑے راستے کا تعین اتنی ہی بڑی منزل کا بھی نشان ہوتا ہے۔۔۔ اور میری دعائیں ہمیشہ میری عرف کے ساتھ ہیں" انہوں نے مسکراتے ہوئے عرف کے سر پہ دست شفقت رکھا۔ عرف کھل کے مسکرا دی تھی اور عارفین بھی۔۔۔ وہ بھی جان گیا تھا۔۔۔

بڑے بڑے صدمات جھیلنے والے اکثر ناممکنات کو ممکن کرنے میں لگ جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ کامیاب ہی ٹھہرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ہارنے کو کچھ باقی نہیں ہوتا۔۔۔ جیت ان کی پہلی اور آخری بازی ہوتی ہے اور یہاں ہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....

☆.....☆.....☆

اس رات وہ امی بابا کے بعد پہلی بار سکون سے سوئی تھی۔۔۔ کوئل بھابی نے اسے جس طرح ڈھارس دی تھی۔۔۔ اس نے اس کے دل سے خوف ختم نہیں تو کم ضرور کر دیا تھا۔۔۔ اور یہی وجہ تھی کہ پہلے وہ لاک بند کر کے بھی سکون سے نہیں سو پاتی تھی مگر آج بے شک وہ لاک بند کرنا نہیں بھولی تھی مگر سکون کی نیند آئی تھی اسے۔۔۔ صبح وہ جاگی تو صبح کے دس بج رہے تھے۔۔۔ اتنے دنوں بعد اس قدر پرسکون نیند..... وہ قدرے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔۔۔ سبحان لا الّا صبح آٹھ بجے ہی گھر سے نکل جاتے تھے تبھی وہ بے فکری اپنے لیے ناشتہ لینے کچن میں آئی تھی۔۔۔ گھر میں عجیب پر اسرار سی خاموشی چھائی تھی۔۔۔ سدیس اور منا حالانکہ کافی شور مچائے رکھتے تھے دن میں۔۔۔

"سدیس تو سکول چلا گیا ہوگا" بھائی کا خیال آتے ہی وہ مسکراتے ہوئے خود سے ہمکلام ہوئی

"لیکن باقی سب....." اسکے لبوں سے پھسلا

"سب ساتھ والے گاؤں گئے ہیں" بھاری آواز پہ ہاتھ میں پکڑا دودھ کا گلاس ایک چھنا کے سے زمین بوس ہوا تھا وہ تیزی سے مڑی تھی۔۔۔ شیطان راستہ روکے کھڑا تھا۔۔۔

"کوئل کے چاچا کی ڈیٹھ ہو گئی ہے۔ اس لیے" وہ یوں مسکرا کے بتا رہے تھے جیسے کوئی بہت بڑی خوشخبری دے رہے ہوں۔۔۔ وہ دو قدم آگے بڑھے تھے اور عرف اتنے ہی قدم پیچھے۔۔۔

"مجھے لگا تھا میں تمہیں پھولوں کی طرح نہیں مسلوں گا۔۔۔ کلیوں کی طرح پیار سے سینچوں گا" اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں

”لیکن تم مجھے ڈرا رہی ہو عرف۔۔ اور میں تمہیں کھونے کا رسک ہرگز نہیں لے سکتا۔۔“
جنگل سنسان سا لگنے لگا تھا۔۔ ہرن شکنجے میں آیا تھا اور شکاری بچے جماتا آگے بڑھ رہا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

چاچا کی اچانک موت کی وجہ سے ویسے بھی دل درد سے پھٹا جا رہا تھا اوپر سے عورتوں کی آہ و بکاں سے عجیب سی گھبراہٹ سی دل پہ طاری ہونے لگی تھی۔۔

چاچا کی میت کے سر ہانے کچھ دیر آنسو بہاتے وہ اٹھ کر اندر منے کو دیکھنے آئیں۔۔ وہ ساری دنیا سے بے خبر سکون سے سو رہا تھا۔۔ کوئل اس کے قریب بیٹھ کر بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔۔
قدرت کے رنگ بھی عجیب تھے۔۔

کسی کو اوپر بلا لیا جاتا اور کوئی روح نیا مقصد ہاتھ میں لئے زمین پہ اتار دی جاتی۔۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی تو مناس دنیا میں آیا تھا تو چاچا سمیت سب کس قدر خوش تھے۔۔ صرف منارور رہا تھا۔۔ اور چاچا لمبے سفر کے مسافر ہوئے تھے تو وہ پرسکون تھے باقی سب رو رہے تھے۔۔ نہ جانے زندگی موت کی کیا کہانی تھی۔۔

وہ چپ چاپ منے کو دیکھتی سوچتی رہیں۔۔ اور پھر اچانک..... ایک دم سے منے کے نین نقش میں کسی اور کارنگ روپ بھلک دینے لگا تھا۔۔

وہ موٹی موٹی گھنی پلکوں سے ڈھکی آنکھیں.....

گلابی سفید گال.....

لال یا قوتی مناساد ہانہ.....

اور وہ گھبرا کے اٹھ کھڑیں ہوئیں۔

”عرف“ ذہن میں اچانک ہی خیال آیا تھا کہ عرف گھر پہ اکیلی تھی۔۔ وہ سب چاچا کی اچانک موت کا سن کر اتنی جلدی میں گھر سے نکلے تھے۔۔

نکلے تھے.....

نہیں بلکہ لائے گئے تھے.....

سبحان..... انہیں اب خیال آ رہا تھا کہ سبحان نے بے حد جلدی کی تھی۔۔ بار بار غصہ ہو رہے تھے۔۔ داجی نے کہا بھی کہ وہ عرف کو لے کے آجائیں گے لیکن سبحان نے صاف کہہ دیا کہ گھر پہ کافی ملازم ہیں۔۔ جوان لڑکی کایوں سب میں جانا ٹھیک نہیں۔۔ اور وہ

ان کی روح تک کانپ گئی.....

انہیں تو خیال تک نہ آیا تھا کہ سبحان اس موقع پہ بھی کچھ ایسا ویسا سوچ سکتے ہیں۔۔

وہ دیوانوں کی طرح مردان خانے کی طرف دوڑیں تھیں۔ ان کے بھائی اسفند لالا اسی وقت اندر کسی کام سے آئے تھے۔۔

"لالا" انکی گھبرائی ہوئی آواز پہ وہ بری طرح چونکے۔

"کیا ہوا کوئل۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟" وہ پریشان ہو گئے۔۔

"لالا۔۔ داجی کہاں ہیں؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔۔

"باہر بیٹھے ہیں۔ مردوں میں۔۔" انہوں نے جواب دیا

"اور سبحان۔۔۔ سبحان۔۔ کہاں ہے لالا؟"، اس نے ان کا بازو تھام لیا "سبحان بھی ٹھیک ہے کوئل ہوا کیا ہے۔۔؟" وہ اس

کے رویے پہ حیران سے تھے

"سبحان ہیں کہاں لالا؟" وہ تقریباً چلا اٹھی تھی

"ابھی نکلا ہے گھر کے لئے۔ کہہ رہا تھا ضروری کام سے جا رہا ہے کچھ ہی دیر میں واپس....." اور وہ بات پوری نہیں کر پائے

تھے۔ کوئل نے ان کا بازو دو بوجا اور ان کے مضبوط بازو سے پکڑے تقریب کھینچتے ہوئے گیراج کی سائیڈ پہ لے گئی۔۔ یہ حصہ حویلی سے بالکل

الگ تھا.....

"کیا ہوا ہے کوئل۔۔؟" وہ اب حقیقی معنوں میں پریشان ہو گئے تھے "جلدی کریں لالا۔۔ ہمیں گھر جانا ہے" کوئل سر پہ پڑا

بڑا سادو پٹہ چادر کی صورت پھیلاتے ہوئے بولی

"گھر۔۔ لیکن کیوں۔۔؟" وہ اس کی تائید میں گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولے۔۔

"سب آپ کو خود سمجھ آ جائیگا بس جلدی سے چلیں اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے" اس نے پلکیں موندتے آنکھوں میں بھر آنے

والے آنسوؤں کا گلہ گھونٹا تھا۔ اسفند لالا نے اس بار خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی.....

☆.....☆.....☆

شام ہو چکی تھی تبھی ٹیکسی نے ذ سے گھر سے کافی دور ہی اتار دیا تھا۔ آج کل حالات خراب ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ٹیکسی والا

حیات آباد آنے کے لئے مشکل سے ہی راضی ہوتا تھا۔ ایک تو یہ شہر سے کافی فاصلے پہ تھا۔ اوپر سے کافی سنسان سا علاقہ ہو جاتا تھا۔۔

شام کے بعد تو اکثر لوگ کم ہی نظر آتے تھے۔ وہ اتنی دور تک چل کے جانے کے خیال سے پریشان سی ہو گئی تھی۔ خیال آیا کہ عارفین کو

ہی فون لگا دے لیکن پھر دل نے ہی منع کر دیا۔ خواہ مخواہ ہی فری ہونے لگتا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے اپنے فیز کے راستے پہ چل دی۔۔

صرف دو گلیاں آگے جا کر ہی اسے ٹھٹھک کے رکنا پڑا تھا۔ گلی کے بالکل بیچوں بیچ ایک ہی سگریٹ کے بار بار کش لیتے چار لڑکے اس کا دل دھڑکا گئے تھے۔ حلیے سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ وہ بگڑے اوباش رئیس زادے تھے۔ عرف چند لمحے انہیں دیکھتی رہی پھر ہمت کر کے چلنا شروع ہوئی اور ان کے قریب آ کے ایک مرتبہ پھر اسے ٹھٹھک کے رکنا پڑا تھا۔ ان کے بیچوں بیچ لمبا کش لے کے ناک سے دھوئیں کا مرغولہ ساڑا تا وہ بلاشبہ عارفین تھا۔ عارفین کی نظر بھی اس پڑ چکی تھی۔ اور وہ بری طرح اچھلا تھا۔ سگریٹ تیزی سے ایک طرف اچھالی اور فوراً اس کی طرف آیا تھا۔ باقی تین لڑکے اس کا یہ رد عمل دیکھ کے فوراً فوج چکر ہوئے تھے۔

”ت۔ ت۔ تم۔“ عرف تو حیرت کے مارے بول بھی نہ پائی۔

”آپ اس وقت باہر کیا کر رہی ہیں۔ حالات کا علم ہے ناں آپ کو“ وہ الٹا اس پہ یوں ناراض ہونے لگا تھا جیسے اس کے سارے حقوق اپنے نام کروا چکا ہو۔

”چلیں گاڑی میں بیٹھیں۔“ اس نے قریب ہی کھڑی اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

”تم..... یہ سب۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی“ وہ ان سنی کرتے صدمے سے بولی تھی۔ داجی عارفین کی سلجھی ہوئی شخصیت سے کس قدر متاثر تھے۔ اور وہ..... نکلا تو کیا لو فر..... بد معاش..... اوباش۔۔۔ (حد سے نہ کیا کیا سوچ لیتی ہے یہ عرف بی بی اتنے پیارے سے پیسے بچے کو کیا کیا بنا دیا) اسے بس اسی بات کا دکھ ہو رہا تھا کہ وہ داجی جیسے معصوم آدمی سے بھی جھوٹ بولتا رہا تھا۔

”میں ایسا ہرگز نہیں ہوں اور آپ کو زیادہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔ پلیز گاڑی میں بیٹھیں۔۔ ورنہ مجھے زبردستی کرنا پڑے گی“ اس نے اس بار سخت لہجے میں کہا

”ایسے کیسے۔۔ کر کے تو دیکھو سختی“ وہ بھی بھر گئی۔

”آپ کی مرضی“ وہ کندھے اچکا تا اس کی طرف بڑھا تھا۔ اور ادھر ادھر دیکھتی عرف گلی سنسان دیکھ کے فوراً بھاگ کے گاڑی میں سوار ہوئی تھی۔ عارفین نے مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

”میں کسی سے ڈرتی نہیں۔۔ لیکن اس وقت میری بھی مجبوری ہے تمہارے ساتھ جانا“ وہ بھی نام کی ایک ہی تھی۔

”داجی کو کچھ مت بتانا۔۔ مجھے امید ہے آپ ان کو دکھی نہیں کرنا چاہیں گی“ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے سلجھے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ عرف منہ بنا گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ کسی گدھ کی طرح پر پھیلاتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور دھان پان سی عرف پیچھے ہوتے ہوتے دیوار سے جا لگی تھی۔

”اماں بوا“ اس نے چلا کے اپنی خاندانی ملازمہ کو مدد کے لئے پکارا تھا۔ سبحان لالا کے چہرے پہ اس کو چلاتا دیکھ کے شیطانی

مسکراہٹ پھیل گئی۔

"فکر مت کرو۔۔۔ آج تمہیں اور مجھے ڈسٹرب کرنے کوئی نہیں آئے گا۔۔۔ آج ہمیں ایک ہونے سے موت بھی نہیں روک سکے گی عرف" ان کی آنکھوں سے جیسے رال سی ٹپک رہی تھی۔۔۔

بد بودار۔۔۔ لیس دار۔۔۔ گناہ سے بھری۔۔۔ عرف سسک دی تھی اس کی ٹانگیں شل سی ہونے لگیں تھیں۔۔۔

"امی۔۔۔ بابا....." وہ اور زور سے چلائی تھی۔۔۔ سبحان کو ہنسی آگئی۔۔۔ وہ اس سے کچھ قدم دور رک گیا۔۔۔

"مالی کا کا۔۔۔۔ شریف چاچا" وہ چلاتے ہوئے ہر ملازم کو مدد کے لیے پکارنے لگی۔

"کیوں خود کو ہلان کرتی ہو میری جان" وہ اس کے پاس آچکے تھے۔۔۔ دونوں بازو اس کے گرد دیوار پہ رکھ دیئے۔۔۔ عرف

روتے ہوئے مزید چلانے لگی۔۔۔

"سب کو میں نے دور بہت دور کاموں پہ لگا دیا ہے۔۔۔" ان کی گرم سانسیں اس کا سارا وجود راہ کرنے پہ تلّی تھیں۔۔۔ وہ اب ان

کے سینے پہ ہاتھ سے مکے مارنے لگی تھی۔۔۔ سبحان لالا زور زور سے ہنسنے لگے تھے۔۔۔ عرف نے اس بار زور کا ہاتھ ان کے چہرے پہ جڑ دیا

تھا۔۔۔ چند لمحوں کے لیے وہ ساکت رہ گئے تھے۔۔۔ پھر.....

"اس طرح کرو گی تو مجھے غصہ بھی آسکتا ہے۔۔۔ اور جانتی ہو نہ میرے غصے کو۔۔۔" پھرے انداز میں انہوں نے اسے بازوؤں

سے دبوچا تھا۔۔۔ اس کی چیخیں نکل گئیں تھیں۔۔۔

"سبحان لالا۔۔۔ چھوڑیں مجھے" وہ ہذیبانی انداز میں چیخنے لگی تھی۔۔۔

"خدا کے لیے چھوڑیں مجھے" پاگلوں کی طرح ان سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اچانک سران کے منہ پہ

دے مارا تھا۔۔۔ بس ایک لمحے کے لیے ان کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی اور چڑیا کی طرح کمزوری زخمی سی عرف بجلی کی سی تیزی سے نکلتی چلی گئی

تھی۔۔۔ سبحان بھی اگلے لمحے ہی سنبھل گیا تھا اور اسی تیزی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔۔۔

"تمہاری یہی مرضی تو ایسے ہی سہی عرف امان" دانت کچکپاتے وہ اس تیزی سے اس کے پیچھے آیا کہ وہ سنبھل نہ سکی اس کے

بالوں کی لمبی چوٹی پکڑتے ہی اس نے زور سے کھینچا تھا۔ عرف چیختی ہوئی اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی اس نے فوراً اسے اٹھالیا تھا اور

تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے اوپر جانے لگا۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔ خدا کے لئے چھوڑیں مجھے سبحان لالا" وہ اس کی گرفت میں بری طرح پھڑپھڑانے لگی تھی۔۔۔ لیکن سبحان اس

وقت شیطان بنا ہوا تھا۔۔۔ اور شیطان تو خدا کی بھی نہیں سنتا.....

☆.....☆.....☆

رات کے کسی پہر نامانوس شور سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔۔۔ اسے یوں لگا تھے جیسے اس کے کمرے کی طرف کوئی زوردار آواز سے کودا تھا۔۔۔ اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے دھڑک سا اٹھا تھا۔ وہ بنا آواز پیدا کئے آہستگی سے بیڈ سے نیچے آئی۔۔۔

اور دھیرے دھیرے چلتی کھڑکی کے قریب آگئی۔۔۔ کمرے میں لائٹ آف تھی لیکن صحن میں ٹیوب لائٹس کی روشنیوں نے کافی اجالا کر رکھا تھا۔۔۔ تبھی وہ کمرے کے گھپ اندھیرے کی وجہ سے باہر بآسانی دیکھ سکتی تھی۔۔۔ صحن بالکل خالی تھا۔۔۔ اسے حیرت ہوئی۔۔۔ آواز اس قدر واضح تھی۔۔۔ اس نے خود کسی کو گرتے سنا تھا لیکن اب وہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔ وہ وہم کے خیال سے سر جھٹک کے مڑنے ہی لگی تھی جب گھر کی بیرونی دیوار کے قریب لگے امرود کے درخت کے قریب سایہ ساهموس ہوا تھا۔۔۔ وہ تیزی سے چوکنہ ہو کے اس طرف دیکھنے لگی۔۔۔ کالے چکنے چست لباس میں ملبوس چہرے پہ نقاب ڈالے وہ شخص امرود پہ چڑھ رہا تھا۔۔۔ عرف کی آنکھیں حیرت کے مارے پوری طرح کھل گئی تھیں۔۔۔ کیونکہ مکمل نقاب پوشی کے باوجود بھی وہ عارفین کو پہچان گئی تھی۔ وہ اس وقت جیسے کسی ماہر چور کے حلیے میں تھا۔

"اڑی بابا" اس نے خود سے سرگوشی کی۔

"تو یہ چور بھی ہے....." وہ تاسف سے خود کلامی کرتے ہوئے بولی۔۔۔ وہ نقاب پوش اب دیوار پہ چڑھ گیا تھا۔۔۔

"اللہ اللہ۔۔۔ پتہ نہیں کیا کیا کام کرتا ہے اور۔۔۔ مجھے تو دہشت گردوں کا بھی ساتھی لگ رہا ہے۔۔۔" اس نے سارے جرم بنا کسی تفتیش کے اس کے کھاتے میں ڈال دئے تھے۔۔۔

"اب تو داعی سے بات کرنا ہی پڑے گی۔۔۔ یوں نہ ہو اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی جیل میں چکی پینا پڑ جائے" اس نے سونے سے پہلے تہیہ کرتے ہوئے سوچا تھا.....

بے چارہ عارفین..... عرف اس کے لئے کچھ بھی سوچ سکتی تھی سوائے اچھا سوچنے کے۔۔۔۔

☆.....☆.....☆

نہ جانے کیوں ان کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔۔۔ انہوں نے کافی دیر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن دل تھا کہ عجیب سی بے چینی میں ڈوبا جا رہا تھا۔۔۔ رہ رہ کر عرف کا خیال آ رہا تھا۔۔۔ "اب تک تو جاگ گئی ہوگی۔۔۔"

"انہوں نے جنازے میں شرکت کرنے کے لیے آنے والے لوگوں سے گم صم مصافحہ کرتے ہوئے سوچا۔۔۔

"اپنے گھر میں ہی تو ہے پھر نہ جانے کیوں مجھے چین نہیں آ رہا۔۔۔" وہ سینہ مسلنے لگے

"آپکی طبیعت ٹھیک ہے کا کا؟؟؟" ان کے دور کے بھانجے ہیبت خان ان کو یوں بے چین دیکھ کر فوراً ان کے پاس آئے۔

"ہاں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔۔" انہوں نے جواب دیا

"بس عرف کی فکر ہو رہی ہے" ان کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"ابھی وقت ہے جنازے میں۔۔ انکل کے بڑے بیٹے ابھی شہر سے نہیں پہنچے۔۔ میں ڈرائیور سے کہتا ہوں آپ اس کے ساتھ جا کے چکر لگالیں۔۔ عرف کا دل کرے تو اسے بھی ساتھ لیتے آئیے گا" انہوں نے مشورہ دیا۔۔ داجی فوراً مان گئے۔۔ ان کے کہنے پہ ڈرائیور نے تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے چند لمحوں میں انہیں حویلی پہنچایا تھا۔۔ داجی نے اسے جانے کا کہا اور خود اندر چلے آئے۔۔ چوکیدار نے سبحان کے بھی آنے کا بتایا تو وہ کچھ بے فکر ہو گئے۔۔ "میں خواہ مخواہ ہی پریشان ہوتا رہا وہ مسکراتے ہوئے حویلی کے اندرونی طرف آئے۔۔ اور لاونچ میں قدم رکھتے ہی عرف کی زوردار چیخوں نے انہیں ہلا کے رکھ دیا تھا۔۔ وہ تیزی سے اس سمت آئے تھے

"سبحان" کوئل کی چیخنی آواز نے ماحول کو لرزا کے رکھ دیا تھا اور پہلی سیڑھی پر قدم دھرتے داجی کی ضعیف آنکھوں نے جو منظر دیکھا۔۔ تو انہیں سمجھ آئی دل خواہ مخواہ کب گھبراتے ہیں۔۔ دل تو تبھی گھبراتا ہے جب کسی حادثے کی خبر دیتے ہیں۔۔ وہ دل تھامے زمین پہ گرتے چلے گئے تھے۔

”کا کا“ ہوش کا پلو چھوڑتے انہوں نے آخری آواز اسفند کی سنی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ گھر آیا ہوا تھا۔ گویا عید آئی ہوئی تھی۔۔ اس کے جانے کے بعد جس قدر گھر میں سناٹے رقص کرتے تھے اس کے آنے کے بعد اتنا ہی گھر میں اودھم مچ جاتا تھا۔۔ اور سندرے ہمیشہ خود سے پوچھتی تھی کیا یہ شور وہ دشمن جاں مچاتا تھا۔۔ یا اس کے آنے کی خوشی میں اس کا دل..... اسے ہمیشہ باہر سے زیادہ اندر کا شور پریشان کر دیتا تھا۔۔ دھک دھک کا بے ہنگم سا شور۔۔ جو ایسے لگتا سینے کی جگہ کانوں میں دھڑکنے لگا ہوا دل۔۔ اپنی بے کل کیفیت پر وہ بے ساختہ مسکرائے جاتی اور سالار بس اسے محبت سے دیکھے جاتا۔۔ کبھی نہ ٹوکتا۔۔ بھلا جب محبت اپنے پورے ڈھنگ سے بات کرے تو اسے ٹوکتا چاہئے۔ ہر گز نہیں۔ اور وہ اسی محبت کو اس کے ایک ایک انداز سے بات کرتا دیکھتا۔۔ اپنے اندر جذب کرتا اور اپنی آنکھوں سے اس پہ بھی محبت لٹائے جاتا۔۔

"خان! کپڑے رکھ دے ہیں پریس کر کے۔۔ آپ پلیز نہ لیں۔۔" وہ بچوں کے ساتھ شرارتوں میں مصروف تھا جب سندرے نے کچن سے آواز دے کر کوئی تیسری بار اسے یاد دلایا تھا۔۔ وہ بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے منہ بنا گیا۔۔ بچوں نے بھی بالکل ویسا ہی پوز دیا تھا جیسے انہیں بھی برا لگا ہو۔

"توبہ ہے سندرے! یہ چند دن تو آتا ہوں یہ وقت بھی تم مجھے سارا دن کام کروا کے ضائع کر دیتی ہو" اس نے خفگی بھرے انداز میں کہا تھا۔۔ سندرے کی غلامی آنکھیں حیرت سے کچھ اور کھل گئیں تھیں۔۔ وہ تیزی سے برسرِ سلو کرتی باہر آئی۔۔

"کام..... کون سا کام۔۔؟" اس کی توقع کے عین مطابق سندرے پریشان ہو کے باہر آئی تھی۔۔

"میری تو کوشش ہوتی ہے کہ آپ ان دنوں میں زیادہ سے زیادہ ریسٹ کر لیں" وہ شرمندہ لہجے میں بولی یوں جیسے سچ میں اس

سے کوئی بڑی غلطی ہوگئی ہو

"ارے ابھی تو کہا تھا لو جا کے" اس نے شرارت سے بانیں آنکھ بند کرتے ہوئے کہا۔۔۔ سندرے کے چہرے پہ چھائی شرمندگی ایک پل میں غائب ہوئی تھی۔۔۔

"یہ کام ہے؟؟؟" اب وہ اسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی

۔۔۔ "ہاں نہیں تو اور کیا؟" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے

"اب خود سوچو" صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ٹانگیں لمبی کر لی گئیں اور ننھے شہر یار کو گود میں بٹھالیا۔۔۔

اب یہاں سے اٹھوں۔۔۔ پھر جا کے شاور کھولوں پھر کپڑے اتاروں پھر نہاؤں۔۔۔ اف میں تو سوچ کے ہی تھک گیا بھئی، اس نے سوچتے ہوئے جھرجھری لی۔۔۔

"بہانے نہ کریں خان۔ اٹھ جائیں۔" وہ خفگی سے کہتی کچن کی طرف مڑی

"سچ میں سندرے ہم پہاڑوں پہ ہوتے ہیں تو کئی کئی دن بغیر نہائے رہتے ہیں۔۔۔" اس نے پیچھے سے مسکین آواز بناتے ہوئے آواز دی۔۔۔

"اٹھ جائیں خان۔۔۔ نہ تو یہ پہاڑ ہے نہ میدان۔۔۔" وہ کچن سے ہی جواب دیتے ہوئے بولی

"یہ آپکا پیارا گھر ہے اور یہاں الحمد للہ پانی کی بہتات ہے۔ آپ چاہیں تو شام میں بھی نہا سکتے ہیں،" اسکی آواز میں ہلکی سی سختی تھی۔

"توبہ۔۔۔ تم بھی نہ سندرے ہمارے سینئر زکی طرح ہمیں ٹریٹ کرتی ہو" اس نے اٹھتے ہوئے معصوم سے لہجے میں شکوہ کیا تھا۔۔۔ سندرے کے یا قوتی لبوں پہ بہت پیاری مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"اب شام کو خالو کی طرف میں انہی کپڑوں میں جاؤں گا" ہاتھ روم کا دروازہ بند ہونے سے پہلے اس نے سندرے کو سنایا تھا

"خبردار جو مجھے کچھ اور پہننے کو کہا۔۔۔ میں چیخ نہیں کروں گا" دروازہ زور سے بند ہوا تھا اور وہ بھی زور سے ہنس دی تھی۔

سالار جب بھی گھر آتا تھا اس کا بس یہی دل کرتا کہ سارا وقت وہ سمندر اور بچے ایک دوسرے کے سامنے رہیں۔۔۔ اور تیسرا کوئی

بھی انہیں ڈسٹرب نہ آئے۔۔۔ نہ کسی کے گھر جانا پڑے نہ کوئی ملنے آئے..... اور آج خالو کے بڑے بیٹے کی دعا خیر تھی۔۔۔ اور انہیں ضرور جانا تھا۔ اور بس اسی لئے سالار کا موڈ آف تھا۔۔۔ لیکن سندرے جانتی تھی اس کا موڈ وہاں جاتے ہیں سیٹ ہو جانا تھا۔۔۔ تبھی وہ بے فکری سے دوبارہ کام میں مصروف ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

کول کی پکار پہ وہ جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ شیطان جب بھی کوئی چال چلتا ہے۔۔۔ اسے ہمیشہ کامیاب ہی لگتی ہے۔۔۔ اللہ تک کا خوف

نہیں رہتا ہے۔۔

سبحان کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ شیطانیت اس پہ یوں سوار تھی کہ وہ ہر تقدس، ہر حد بھول چکا تھا۔ اسے لگا تھا بس وہی ہے بساط بچھانے والا..... اسے تو خیال ہی نہیں آیا تھا۔۔ اپنے عزیز تر چاچا کی میت سے لگی زار و زار روتی کوئل اس کی بساط پچھاڑ دے گی۔۔ الٹ دے گی اسی پہ۔۔

اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کے وہ واقعی حیران رہ گیا تھا۔ اس کا شکنجہ نرم پڑتے ہی اس کے بازوؤں میں جھولتی خوف سے تقریباً نیم بے ہوش عرف فرش پہ ڈھسے گئی تھی۔۔ کوئل فوراً آگے بڑھ کے اس کی طرف آئی۔۔

اسفند داجی کو سنبھالتا اونچ میں پڑے صوفے پہ لٹا دیا اور پھر تیزی سے اوپر آیا جہاں آنکھوں میں غصے کی سرخی لئے سبحان کوئل کی طرف بڑھ رہا تھا۔۔ اسفند تیزی سے ان دونوں کے درمیان آیا تھا اور کھینچ کے دایاں ہاتھ اس کے منہ پہ جڑ دیا تھا۔ سبحان اس اچانک حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ وہ کئی قدم دور پیچھے کی طرف گرا تھا۔۔ اسفند کی آنکھیں بھی اسے دیکھ کے لہورنگ ہو رہی تھیں۔۔

"خبردار سبحان۔۔ اگر اب ایک قدم بھی میری بہن کی طرف بڑھایا" اسفند نے شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے اسے وارن کیا تھا۔ وہ کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔۔ غصے سے اس کا وجود تھر تھرانے لگا تھا۔۔

"مجھ پہ ہاتھ اٹھا کے تم نے اچھا نہیں کیا اسفند خانان..... تم شاید بھول گئے ہو تمھاری بہن میری بیوی ہے،" ایک ایک لفظ چباتا وہ رال اڑانے لگا تھا۔۔

اسفند کی نظروں سے چھلکتی نفرت دگنی ہوئی تھی وہ چند قدم چلتا اس کے قریب آیا تھا۔۔

"کمال ہے سبحان خان۔۔ اتنے عرصے کی قربت نے کوئل جیسی معصوم لڑکی پہ تو تمھیں عیاں کر دیا لیکن تم جیسا شاطر اور مکار مرد اسے نہ جان سکا" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔۔

سبحان کی سانپ جیسی آنکھوں میں حیرت سی ابھری

"کیا مطلب۔۔؟؟"

"کوئل تمھیں جان گئی تھی۔۔ تم سے واقف تھی تبھی وہاں عرف بچے کو نہ دیکھ کے پاگلوں کی طرح میت چھوڑ کے چلی آئی۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔۔ سبحان نے حیران سی نظر عرف کو بازوؤں میں سمیٹے کوئل پہ ڈالی۔۔ وہ اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔۔ آنکھوں میں سرد سا تاثر تھا۔۔ وہ سمجھ نہیں سکا تھا کیا۔۔؟؟؟

"اور میں بے وقوف اس کی نادانی پہ اندر رہی اندر غصہ کھاتا رہا کہ بھلا اپنے ہی گھر میں بچی کو کیا خطرہ۔۔" وہ لب کاٹنے لگے

"مجھے کیا معلوم تھا کہ میری معصوم بہن ایک شیطان کی اصلیت پہچان چکی ہے۔۔ اسے چین کہاں آنے والا تھا۔" وہ ذرارے کے.....

"اور اب اسے چین کہاں آنے والا ہے سبحان خان۔۔۔" جملے کو مکمل کرتے وقت عجیب سادہ دھڑک گیا ان کی آواز میں۔۔

سبحان خان ایک کروفر سے ان کی طرف بڑھے۔۔ پھر انکے لہجے کے ساتھ ساتھ انکی آنکھوں نے بھی زہرا گلا تھا۔

"تو کس نے کہا ہے کہ یہ چین سے نہ رہے۔۔ رہے چین سے۔۔ لے جاؤ اپنی بہن کو..... شوق سے اس کا سکھ چین اسے دو۔۔"

وہ زہرا سا مسکرائے تھے۔۔

کوئل نے ایک زخمی نگاہان کے بدبودار وجود پہ ڈالی اور دوبارہ پھیر لی۔۔ اسفند البتہ لب کاٹتے رہے

"اور ہاں میری فکر نہ کرنا۔۔ میرا دل ویسے بھی اس سے بھر گیا ہے۔۔ میں تم لوگوں کو پریشان نہیں کروں گا۔۔ تین پتھر تمہیں گھر

پہنچاں جائیں گے۔

”سبحان“ اسفند چلا اٹھے تھے۔

اسفند خان۔۔ تم بھول رہے ہو یہ میرا گھر ہے" وہ اس سے زیادہ اونچی آواز میں جتاتے ہوئے بولے تھے۔۔

"اسفند" حاجی کی کمزور آواز پہ سب نے مڑ کے دیکھا تھا وہ سیڑھیوں کے ساتھ ٹھہرے تھے۔۔

"چلو۔۔ جنازے کا وقت ہو گیا ہے۔۔ عرف کو تم اٹھا لو" اسفند نے ایک چھتی نگاہ لب کاٹتے سبحان پہ ڈالی تھی۔ پھر بے سدھ

پڑی عرف پہ جھکا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ گاڑی میں بیٹھے حویلی سے باہر نکل رہے تھے۔۔ سب کے چہروں پہ موت کی سی زردی چھائی تھی۔۔

کیونکہ سب کو رشتوں کے سانپ نے ڈس لیا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

یہ بنوں کے کچے کا علاقہ تھا۔۔ مشہور دریا نے گنبیلہ اسی جگہ سانپ کی طرح بل کھاتا گزرتا تھا۔۔ کافی اونچائی میں بنے دوپلوں کو

جوڑ کر دریا پار علاقے کو بھی شہر سے ملایا گیا تھا اور اس کے بعد سے کئے گئے مختلف ترقیاتی کاموں کی وجہ سے پڑھی لکھی فیملیز نے بھی یہاں

گھر آباد کئے تھے اور اسی لئے اس طرف ٹوٹی پھوٹ چٹانوں جیسی ناہمورز مین ہونے کے باوجود وسیع خوبصورت بنگلوز دل موہ لیتے۔۔

سالار کے دونوں بچے پہلے ہی سندرے کے کزن کے ساتھ جا چکے تھے۔۔ موسم بہت پیارا ہو رہا تھا۔۔ ٹھنڈی دل لبھاتی ہوائیں

اور ہلکی رم جھم جیسے بہار کا سندیسہ دینے آئی تھیں۔ وہ سیدھا خالہ کے گھر جانے کی بجائے گاڑی کچے کی طرف لے آیا۔۔ یہ دریا نے گنبیلہ کا

کنارا تھا جہاں دور دور تک ریتلی زمین بھی گیلی سی تھی۔۔

"یہاں کیوں؟" اسے گاڑی روک کے اترتا دیکھ کے سندرے تقریباً چلا اٹھی تھی۔۔

"اترو۔۔" وہ مسکراتے ہوئے اسکی سائیڈ پہ آیا۔

- "یہاں کیوں خان....."

"اتر تو۔۔" وہ اس کے گلابی سراپے کو محبت بھری نگاہوں سے دل میں جذب کرتے ہوئے بولا۔
 "لیکن بہت دیر ہو چکی ہے خان" وہ بے بس لہجے میں کہتی نیچے اتر آئی۔۔

دور سفیدے کے درختوں کے جھنڈ سے ذرا اوپر سورج کی زرد روشنی گلابیوں میں نہاتی آخری سفر پہنچی۔۔ وہ پہلے بھی لیٹ ہو چکے تھے۔ لیکن سالار کے سامنے وہ ایسے ہی بے بس ہو جاتی تھی۔۔ اس کے گاڑی سے اترتے ہی سالار نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔۔
 "یار قسم سے ترس جاتا ہوں اس موسم میں تمہارے ساتھ کو" وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کے کان میں سرگوشی سی کر رہا تھا۔۔ اور سندرے کے ہر احساس پہ اس کی محبت غالب آنے لگی تھی۔۔ وہ خود بھی تو اس کے قرب کے لئے تڑپتی تھی۔ اس کے اپنے اور بچوں کے قریب رہنے کی دعا کرتی رہتی تھی۔۔ تو پھر جب وقت یہ چند سنہری لمحے اسے تمہار ہاتھ تو وہ کیوں ناشکری کرتی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے دریا کنارے رکھے ایک بڑے سے چپٹے پتھر پہ اسے بٹھا کے خود اس کے پیچھے ٹھہرا رہا۔۔۔۔۔ دونوں ہاتھ سندرے کے شانوں پہ جمائے، سورج کی خوبصورت شعاعوں کی سنہری چمک خود میں جاب سا کرتا، مدہم بہتے پانی کی موسیقی پہ محبت کی سرگوشیاں کرتا وہ اس وقت کسی سلطنت کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔ سندرے نے سر ذرا سا اوپر کیا تھا۔۔ اور بالکل اسی وقت سالار نے اسکی جانب دیکھا۔۔ محبت ہمکلام سی ہوئی تھی۔
 سالار نے اس کے گلابی چہرے پہ سنہری مسکراہٹ دیکھی تھی۔ اس کے اقرار اور اس کے ہر انداز سے پھوٹی محبت سندرے کے انگ میں سرشاری سی بھرے جاتی تھی۔۔ وہ بول رہا تھا اور سندرے بے خودی خاموشی سے سنے جا رہی تھی۔۔ جیسے بولی تو سارا فسوں ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو۔۔ اور وہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ لیکن فسوں ٹوٹا تھا۔۔ سالار کے موبائل کی تیز بپ نے ان دونوں کو جیسے کسی خواب سے جگایا تھا۔۔۔۔۔ گھر سے فون تھا۔ وہ پریشان ہو رہے تھے۔ سالار نے انہیں بے فکر کرتے ہوئے جلدی آنے کا کہا اور فون بند کرتے ہوئے سندرے کو دیکھنے لگا۔ جس کے چہرے پہ ایک دم سے شرمندگی اور خجالت سی چھلکنے لگی تھی۔

"میں نے کہا تھا۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب سب وہاں پوچھیں گے تو بہانہ کرنا پڑے گا" وہ ہاتھ کی انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔
 "کم آن یار" اسے شرمائی لجائی سندرے پہ اور پیار آیا۔

"یار کہہ دیں گے ہم دونوں ساتھ تھے۔ کہیں رک گئے تھے بس" اس نے مسکراتے ہوئے دوبارہ اس کا ہاتھ تھاما اور گاڑی کی طرف چل دیا۔ اس بار وہ کچھ نہیں بولی تھی۔۔ فی الحال وہ اس کے قریب تھا۔ اس کے ساتھ تھا۔ اور اس کے لئے یہی کافی تھا۔ باقی وہ سنبھال لیتا تھا۔ سندرے بخوبی جانتی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

آج تیسرا دن تھا۔ آنا جانا لگا تھا۔ عرف کی حالت ایسی نہ تھی کہ اسے سب کے سامنے لایا جاتا۔ وہ ابھی تک نہیں سنبھل پائی تھی۔۔ نڈھال سی خاموش پڑی بس چھت کو گھورے جاتی یا خوفزدہ ہو کر چلاتی اور سوائے داجی کے کسی کو بھی نہ پہچانتی۔۔ کول اور اس کی فیملی

نے عرف کو اوپر والے پورشن میں رکھا تھا۔۔۔ جہاں اماں بوا، داجی کی بھروسے مند خاندانی ملازمہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتی۔۔۔ اسفند نے وہاں کسی کو بھی جانے سے منع کر دیا تھا۔۔۔ سوائے کول اور داجی کے اور کوئی اوپر نہیں جاسکتا تھا۔۔۔ وہ چاہتا تھا کہ عرف جلد از جلد سنبھل جائے اور پھر سب سوچ سمجھ کے اس معاملے کو نبھایا جائے۔۔۔

لیکن دو تین گزرنے کے باوجود عرف کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی۔۔۔ وہ جیسے حواس کھو بیٹھی تھی۔۔۔ کول اسے کھانا کھلا کے، اسکے سونے کے بعد باہر آئی تو داجی کمرے کے باہر ہی اس کے منتظر تھے۔۔۔

"داجی۔۔۔" وہ چونکی اور تیزی سے ایک ہاتھ سے دوپٹہ صبح کر کے ان کو سلام کیا

"جیتی رہو۔۔۔ آباد رہو۔" انہوں نے کول کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دعا دی تھی۔۔۔ دعا کے آخری حصے پہ نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں بھرا آئیں تھیں۔

"آپ عرف کو دیکھنے آئے تھے۔ وہ تو سو گئی ہے۔" اس نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔۔۔

"نہیں۔۔۔" داجی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔۔۔

"مجھے تم سے بات کرنا تھی بچے یا (میرے بچے)" انہوں نے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے جو عرف کے کمرے سے ذرا فاصلے پہ تھا۔۔۔

"جی داجی" وہ بھی ان کے پیچھے چل دی۔۔۔ داجی کمرے میں جانے تک خاموش رہے تھے۔۔۔ کول نے ان کے بستر کے ساتھ رکھے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے انہیں منتظر نگاہوں سے دیکھا۔ وہ بستر پہ پاؤں لٹکائے اس کی طرف رخ پھیر کے بیٹھ گئے۔۔۔

"میں چاہتا ہوں کہ عرف اور سدیس کولے کے یہاں سے چلا جاوں" ان کی بات پہ وہ چونک کے ان کی طرف دیکھنے لگی۔۔۔

"چلے جائیں..... لیکن کہاں داجی".....

"دور۔۔۔ بہت دور۔۔۔ فی الحال جہاں کا اتا پیتہ سبجان کو نہ ہو۔۔۔ نہ ہی کسی اور کو۔۔۔ میں کچھ دن ان دونوں کو سب سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اس بار خاموش رہی تھی۔۔۔

"تاکہ عرف اس واقعے کو بالکل فراموش کر سکے اور سدیس بھی سبجان کے کالے سائے سے بچا رہے۔۔۔ اور دونوں امن کی زندگی جی سکیں۔۔۔ وقت مناسب ہونے پہ میں خود تم سب سے رابطہ کر لیا کروں گا"

"لیکن داجی اس طرح تو سبجان اور مہربان کا کا کو اور کھلی چھٹی مل جائے گی۔۔۔ وہ تو زمینوں جائیداد میں ویسے بھی کا کا کا کی کی شراکت داری برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس طرح آپ اور ان دونوں کے منظر عام سے ہٹتے ہی ان کے لئے تو یہ سب آسان ہو جائے گا"

وہ جیسے سبجان کا ہر رنگ پچھاننے لگی تھی۔۔۔ داجی کو دل ہی دل اس معصوم سی لڑکی پہ ترس آیا تھا.....

"نہیں۔۔ مناسب موقع ملتے ہی میں خود سدیس اور عرف کو لے کے پلٹ آؤں گا۔۔ ویسے بھی میں اس سب سے باخبر ہوں۔۔ اور اسی لئے میں نے کاغذات بنوائے تھے۔۔ جلد از جلد میں امان کا سارا حصہ عرف کے نام کر دوں گا۔۔ جب سدیس بڑا ہوگا تو بعد میں تقسیم بھی کر لیں گے۔" انہوں نے تسلی سے جواب دیا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں داجی" وہ اٹھ کر ان کے قدموں میں آ کے بیٹھ گئی۔۔۔
 "مجھے آپ ہمیشہ اپنے ساتھ پائیں گے" اس نے مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا۔۔
 "میری ایک بات مانو گی کوئل بچے یا" وہ اس کے ہاتھوں پہ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے بولے
 "حکم کریں داجی" وہ فوراً سر جھکا گئی
 "گھر لوٹ جاؤ۔۔" ان کی اگلی بات پہ وہ بری طرح چونکی۔۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں داجی۔۔" اسے صدمہ سا ہوا
 "سب کچھ جاننے کے باوجود بھی"
 "ہاں بچے" داجی کی آنکھیں بھگینے لگیں۔۔

کیونکہ سحان کو عورتوں کی کمی نہیں ہے۔۔ تمہارے ساتھ وہ صرف ان کو دیکھ کے لمحہ بھر کے گا۔۔ مگر پھر ایک وقت تک صرف تمہارا رہے گا۔۔ اب یہ لمحہ کتنی بار آتا ہے۔۔ نہیں معلوم مگر ہاں یہ یقین ضرور ہے کہ کوئی ایک لمحہ آخری ہوگا اور وہ مکمل لوٹ آئے گا۔۔ لیکن....."
 "لیکن کیا داجی۔۔؟؟؟" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔
 یوں جیسے جو وہ کہنا چاہتے ہیں اسے لازمی سمجھنا چاہتی ہو۔۔

"لیکن بچے اگر تم اپنی جگہ چھوڑ دو گی تو وہ ایک لمحہ اسے متاع لگے گا۔۔ وہ بار بار پلٹے گا لیکن محور نہ پا کر پھر بھٹک جائے گا۔ اور اس طرح ہماری وراثت کسی بھی ہاتھ میں جاسکتی ہے۔۔ پھر تمہاری طاقت تو منا ہے۔۔ وہ جوں جوں بڑا ہوگا۔ سحان کا محور بنتا جائے..... تم بہت جلد اس کے گرد ہی اسے چکر لگاتے دیکھو گی۔۔" وہ ادا سی سے مسکرائے تھے۔۔
 وہ جیسے ان کی بات سمجھنے لگی تھی۔۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ کبھی کبھی خود کو مارنا پڑتا ہے نا۔۔ وہ بھی شاید اس وقت یہی کر رہی تھی.....

خود کو مارنے لگی تھی تبھی تکلیف زیادہ تھی۔۔

"مرد کے لئے گھر توڑنا جس قدر آسان ہے عورت کے لئے اسی قدر مشکل..... اسی طرح مرد کے لئے دوسرا گھر بسانا جس قدر آسان ہے عورت کے لئے وہ بھی اسی قدر مشکل..... یہ فطرت ہے۔۔ نہ تم اسے بدل سکتی ہو نہ اس سے منہ موڑ سکتی ہو۔ لیکن کامیاب ہو

سکتی ہو..... جیت ابھی بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔۔۔ صبر اور شکر۔۔۔ بس یہ دو ہتھیار اٹھا لو۔۔۔ ساری عمر کوئی خسارہ پریشان نہ کرے گا۔ اور میری دعا تو ہے ہی تمہارے ساتھ.....“

انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔۔۔ وہ سر آن کے گھٹنوں پر رکھ کر رودی داجی دھیرے دھیرے اس کا سر تھپتھپاتے رہے.....

☆.....☆.....☆

”یہ اتنی بڑی بات نہیں داجی۔ کہ آپ اس طرح عورتوں کی طرح گھر چھوڑ کے بیٹھ گئے ہیں“ مہربان خان کے لہجے کی سختی پہ انہوں نے ایک تیز نگاہ ان کے چہرے پہ ڈالی۔۔۔

”بالکل صحیح کہا مہربان خان..... تم اور تمہارے بیٹے کے لئے یہ واقعی اتنی بڑی بات نہیں اور اسی لئے میں گھر چھوڑ کے بیٹھا ہوا ہوں“ انہوں نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا۔۔۔

”آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہے ہیں۔۔۔ اگر آپ اس قدر معمر اور سمجھدار ہو کر ایسا برتاؤ کریں گے تو کوئل کو سمجھانا تو اور مشکل ہو جائے گا میرے لیے.....“ داجی کا تلخ لہجہ محسوس کرتے ہی ان کا لہجہ نرم پڑا تھا۔۔۔

”اگر تم نے اس وقت میری اور امان کی بات مان لی ہوتی۔ صرف سجان کو سمجھالیا ہوتا تو آج ہمیں سمجھانے کی نوبت نہ آتی مہربان“ ان کے ایک اور طنز پہ وہ لب کچل گئے۔۔۔

”سجان ابھی بچہ ہے۔۔۔ پھر مرد کا بچہ ہے۔۔۔ اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں مردوں سے ایسی غلطی ہو جاتی ہیں۔۔۔“ انہوں نے ایک اور دلیل دی۔۔۔

”غلطی.....“ داجی ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ان کے قریب آئے۔ ان کی آنکھوں میں اس قدر طیش تھا کہ مہربان فوراً نظریں بدل گئے۔

”اپنے گھر کی معصوم سی بچی پہ حملہ کیا ہے اس نے۔۔۔“

”بری نیت سے حملہ مہربان خان..... وہ بھی دن دھاڑے۔۔۔“ وہ جیسے دھاڑے تھے۔۔۔ ان کی تیز آواز پہ اسفند دوڑتے ہوئے آئے تھے..... داجی کا وجود غصے سے لرز رہا تھا۔ اسفند نے انہیں تھام کے بیٹھ پہ بٹھا۔

”داجی آرام سے“ انہوں نے سائیڈ سے پانی کا گلاس اٹھا کے انہیں تھماتے ہوئے کہا۔۔۔ جسے ہاتھ سے منع کرتے ہوئے وہ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔

”اور اگر اس دن کوئل گھر واپس نہ آتی۔۔۔ تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔۔۔ ہم سب مٹی میں رل جاتے مہربان۔۔۔ مٹی میں۔۔۔ اور میری

عرف۔۔ وہ معصوم پھول..... "ان کا لہجہ پھٹنے کو ہو گیا تھا۔۔ وہ جیسے صور پھونکنا چاہتے تھے۔ بس سب بھسم۔۔ سب ختم۔۔

"اور تم۔۔ تمہیں ذرا بھی شرم نہیں۔ اپنے مرے بھائی بھابی کا ہی خیال کر لو۔۔ اس قدر ذلیل انسان کو بھی تم بس ایک خطا وار کہہ کے بخشوانے آگئے ہو۔" ان کے دل سے جیسے سبحان کے لیے ہر نرم گوشہ ختم ہو چکا تھا۔

"داجی۔۔ شریعت میں تو قتل بھی معاف ہو سکتا ہے۔۔ اگر صلح کر لی جائے۔۔ میں منالوں گا عرف بچے کو" وہ ابھی بھی اپنی بات پہاڑے تھے۔ داجی نے تاسف ڈے انہیں دیکھا۔

"قتل معاف ہو سکتا ہے مہربان۔۔ زنا یا زنا بالجبر نہیں۔"

زنا کی سزا ہے..... اس کی سزا ہے شریعت میں۔۔ پتھروں اور کنکریوں سے اذیت ناک موت..... سنگساری..... سو کوڑے کھال ادھر جاتی ہے مہربان۔۔ آدمی مرنے کی دعا کرتا ہے مگر مقص نہیں سکتا۔۔ بتا دو کر لو گے یہ سب سہن..... "داجی کا لہجہ سفاک سا ہوا تھا۔

مہربان خان کی آنکھیں اس بار غصے سے لال ہونے لگیں تھیں۔ سبحان انہیں کس قدر عزیز تھا داجی اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن وہ انہیں یہ بھی ضرور بتانا چاہتے کہ وہ خود آب سبحان سے کس قدر نفرت کرنے لگے ہیں۔ اور ان کے ہر ایک لفظ نے مہربان کو صحیح معنوں میں باور کرا دیا تھا۔

"تو کیا یہ تماشہ ساری عمر یونہی چلتا رہے گا۔" وہ لب کچلتے ہوئے بولے

"میں سوچ رہا ہوں۔۔ مجھے عرف اور سدیس کے لئے فوری کیا کرنا چاہئے۔ جیسے ہی کوئی فیصلہ کرتا ہوں تمہیں بتا دوں گا"

داجی رخ موڑ گئے۔۔ جیسے مزید بات نہ کرنا چاہتے ہوں۔۔ مہربان خان نے مٹھی زور سے بھینچ کے ایک تلخ نگاہ ان کی چوڑی پشت پہ ڈالی۔۔

"آپ کی جیسی مرضی۔۔ لیکن کوئل اور منامیرے ساتھ جائیں گے۔"

"بے شک۔ تم گاڑی میں بیٹھو۔۔ کوئل بچے کے ساتھ آتی ہوگی۔" انہوں نے پرسکون لہجے میں کہا۔۔ مہربان خود پہ ضبط کرتے باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

آج اس کی واپسی کا دن تھا۔۔ اداسی پوری شان سے شہر بنوں پہ اتری تھی۔۔ سیاہ بادلوں نے نیلے آسمان کے ساتھ ساتھ روشنی کو بھی نگل لیا تھا۔۔ دن میں بھی شام کا سماں لگ رہا تھا۔۔ اوپر سے دل میں برستی رم جھم اور باہر پڑتی کن من الگ سارا ماحول بوجھل کئے جا رہی تھی۔

"اب تم ایسا منہ بنا کے پھر وگی تو میں جا چکا ڈیوٹی ہے"

اسے نم آنکھوں سے اپنا بیگ بناتا دیکھ کے وہ اس کے قریب آیا۔

"کچھ چیزوں پہ ہمارا اختیار نہیں ہوتا خان۔ اور وہ چیزیں ویسی ہی اچھی ہوتی ہیں آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔۔ میں آپ کے جانے کے کچھ دیر بعد بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی" اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"اوہ" سالار نے لمبی اوہ کی۔

"تو اس کا مطلب تم میرے جانے پہ خوشی سے رو رہی ہو" وہ اسے اب چڑا رہا تھا۔ سندرے نے خفا خفا سی نگاہ اس پہ ڈالی اور خاموشی سے بیگ کی زپ بند کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ سالار اس کے پیچھے تھا۔ وہ اب بچن میں تھی..... اور اپنے ہاتھوں سے تیار کئے نرم ٹکڑے (tikrray) (میدے سے بنی سکٹ جیسی ایک مشہور علاقائی ڈش جو دور سفر پہ جانے والوں کو بنا کے ساتھ دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ خراب نہیں ہوتی اور کئی دن تک انسان خاص کر ناشتے میں بڑے شوق سے استعمال کرتا ہے) اس کے لیے محفوظ کر رہی تھی۔

"ناراض ہو گئی ہو؟" وہ اس کے قریب آیا تھا۔ اور اس کی پلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے بھاری ہونے لگیں تھیں۔

"اچھا آئم سوری یار" اس نے سندرے کا کندھا تھامتے ہوئے کہا تھا اور وہ مڑ کے اس کے سینے میں سر چھپا کے رو دی تھی۔۔

سندرے کے اس اچانک عمل پہ وہ ششدر رہ گیا تھا۔

"سندرے۔" اس کے مضبوط بازوؤں نے اس کے گرد حصار سا باندھا تھا۔ وہ مزید سسک اٹھی تھی۔

"تم..... اس طرح واقعی میرا جانا مشکل کر رہی ہو۔" وہ اس کے نرم ریشمی بالوں پہ ٹھوڑی جماتے ہوئے بولا۔

"اس طرح تو میں وہاں پریشان ہی رہوں گا یار۔" وہ اس کے کھلے بالوں پہ دھیرے دھیرے دایاں ہاتھ پھیرے گیا اور وہ چپ چاپ اس کے سینے سے لگی اس کی شرٹ بھگوتی رہی۔ سالار نے خاموشی سے اسے رونے دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود دھیرے سے اس سے الگ ہوئی۔ اور چہرہ صاف کر کے دوبارہ اپنے کام میں جت گئی۔ اس کی اس ادایہ وہ مسکرا دیا۔

"بس رولیا۔؟" کچھ دیر یونہی اسے تکتے رہنے کے بعد سالار نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب" اداسی سے جواب آیا۔

"ریٹلی" اس نے سندرے کی سائیڈ پہ آتے ہوئے پوچھا۔ اس کا چہرہ اب سالار کے سامنے تھے۔

"جی۔۔ آپ جانیں کپڑے بدل لیں" اس نے کہا۔ سالار کچھ دیر خاموشی سے وہیں سلیب سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ پھر سیدھا ہوا اور آگے بڑھ کے اس چہرہ لب چند لمحوں کے لئے اس کے بالوں پہ رکھ دئے۔ وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔ سالار نے ایک مسکراتی نگاہ اس کے سراپے پہ ڈالی اور باہر نکل گیا۔ سندرے کی آنکھیں دوبارہ بھگنے لگیں تھیں.....

☆.....☆.....☆

مہربان اسی وقت کول اور منے کولے کے چلے گئے تھے۔ اسفند اس کے جانے کے خلاف تھا لیکن داجی نے کسی طرح اسے بھی راضی کر لیا تھا۔ عرف کی حالت بھی کافی سنبھل چکی تھی۔ بس خاموش سی رہتی تھی انہیں یقین تھا کہ وہ اب اسے خود سنبھال سکتے ہیں۔۔۔ سدلیس تو بچہ ہی ماشاء اللہ سمجھدار تھا۔ اکی طرف سے وہ مطمئن تھے۔ وہ شرارتی نہیں تھا۔۔۔ ذہین تھا اور کافی حد تک بڑوں کی بات فوراً سمجھ لیتا تھا۔

"داجی میں تو یہی کہوں گا۔۔۔ آپ جہاں کہیں گے میں خود آپکو چھوڑ آؤں گا۔۔۔ ان دو یتیم بچوں کے ساتھ آپ کہاں ٹھکانہ ڈھونڈیں گے۔۔۔" اسفند پریشان تھے۔ انہیں واقعی اس طرح اکیلے ان کا بچوں کے ساتھ کہیں رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ عرف اب بڑی تھی سمجھدار تھی۔ پھر بھی سکول اور چار دیواری تک محدود رہی تھی۔ ایسے بچے ذرا سے خراب حالات میں حوصلہ ہی ہار دیتے ہیں۔۔۔ انہیں بھی یہی فکر سترہا ہی تھی۔ داجی عمر کے اس حصے میں تھے کہ کسی وقت بھی ان کی طبیعت بگڑ جاتی تھی اور ایسی صورتحال میں عرف اکیلی بچی کیا کرتی۔

"نہیں اسفند خان۔۔۔ عرف اور سدلیس تک پہنچنے کا میں کوئی ایک بھی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتا۔۔۔ تمھاری بہن ہے وہاں۔۔۔ تم کبھی بھی مجبور ہو سکتے ہو۔۔۔ اور پھر میں بھی نہیں چاہتا کہ تمھیں میری وجہ سے پریشانی ہو"

"ایسا نہ کہیں داجی۔ میں مرجاؤں گا لیکن آپ لوگوں کا اتا پیتا اپنی زبان پہ نہیں لاؤں گا" اسفند متحلی لہجے میں بولا۔

"اسفند مجھے مجبور نہ کرو بچے۔۔۔ بس جو کہا ہے فی الحال اس کا انتظام کرو اپنے ڈرائیور سے کہو ہمیں مطلوبہ مقام تک پہنچا دے" انہوں نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔ اس بار اسفند نے ضد نہیں کی تھی۔۔۔ لب کھلتے باہر نکل گئے تھے۔۔۔

اسفند نے ڈرائیور کو جگا کے اسے ہدایت کی تھی کہ داجی کو جہاں بھی جانا ہو وہاں حفاظت سے پہنچا دے اور ان سے بھی مسلسل رابطے میں رہے۔۔۔ "فون آن رکھنا پنا"

"جی خان" اور ایک بات کوشش کرنا کہ آخری منزل تک خان کے ساتھ رہنا۔۔۔ مجھے ساری ڈیٹیلز چاہئیں وہ بھی اس طرح کہ خان کو پتہ نہ چلے۔۔۔ سمجھ گئے۔۔۔؟؟ "انہوں نے اسے ہدایات دینے کے بعد تسلی کے لئے پوچھا "بالکل خان..... آپ بے فکر ہو جاؤ خان" اس نے ادب سے انہیں تسلی دی تھی۔۔۔ وہ پرسکون ہو گئے تھے۔۔۔ اور اوپر چلے آئے تھے۔۔۔

"گاڑی تیار پے داجی۔۔۔" انہوں نے اندر آ کے بتایا۔۔۔ وہ سب جانے کے لئے تیار تھے

"بہت شکریہ اسفند بچیا" داجی نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے متشکر لہجے میں کہا۔۔۔

"یہ تو میرا فرض تھا داجی۔۔۔ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔۔۔" خوش رہو "وہ مسکرا دیئے..... وہ سب کے ساتھ باہر آ گئے۔

ساری حویلی پر سنائوں کا راج تھا۔۔۔ داجی نے کسی کو بھی اپنے جانے کی اطلاع نہیں دی تھی۔۔۔ تبھی صرف اسفند اس وقت ان کے ساتھ تھے۔۔۔

عرف پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی۔۔۔ سدلیس سوراہا تھا۔ ڈرائیور نے اسے عرف کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ لٹا دیا تھا۔۔۔

داجی نے اسفند کو گلے لگایا۔۔ کوئل کے لئے کچھ ہدایات دیں اور ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئے۔۔ گاڑی آہستہ آہستہ ریٹنگت ہوئی حویلی کا بڑا اچھا ٹک کر اس کر گئی تھی۔ اسفند خان کی آنکھیں بھیگنے لگیں تھیں۔ ایک باپ، ایک بیٹے کے ڈر سے ایک بیٹے کی اولاد کو سینے میں چھپائے کسی دیار غیر میں پناہ تلاش کرنے نکلا تھا۔ اور وہ ان کی سلامتی اور حفاظت کے لیے دل سے دعا گو تھا۔۔۔

☆.....☆.....☆

بہار بہت خوبصورت رنگ لے کے آئی تھی۔۔ سدیس کی قبر کے ارد گرد خود رو پودوں نے شہید کو پھول پیش کئے تھے۔۔ قبر کے سرہانے لگا ٹیکر قبر پہ چھاؤں کرنے لگا۔۔ اور پیلے پھول گر گر کے قبر پہ گل باری کر رہے تھے۔۔ وہ غم آنکھیں بند کئے، اس کی قبر پہ ہاتھ رکھے یوں بیٹھی تھی۔ جیسے سدیس زندہ ہو اور وہ اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی دھڑکن سننا چاہ رہی ہو۔۔

وہ کسی دور کی مسجد سے اذان کی آواز تھی جس نے اسے وقت کا احساس دلایا تھا۔۔ وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔۔ شام کے دھندلکے بڑھنے لگے تھے۔۔ اس نے چادر صبح کی اور ایک الوداعی نگاہ قبر پہ ڈالتی چل دی۔۔ قبرستان سے باہر سفیدے کے درختوں کے جھنڈ میں آتے ہی ہمیشہ کی طرح خوف نے اسے جکڑا تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔۔ وہ ہمیشہ یہاں سے جاتے وقت خود سے وعدہ کرتی تھی کہ آئندہ جلدی واپس چلی جایا کرے گی۔۔ کہ سفیدے کے جنگل کا اندھیرا اسے ہمیشہ ایسے ہی خوفناک لگا کرتا تھا۔ لیکن سدیس کے پاس آتے ہی اسے کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ بھائی کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ ایک ایک دن کسی آسب کی طرح اسکو جکڑ لیتا تھا اور تب تک اسے ہوش نہ آتا تھا اور جب شام کی اذان سنائی دیتی تب اسے وقت کا احساس ہوتا۔

اور ہمیشہ کی طرح ان درختوں کے درمیان آتے ہی اسے ایک خوف کا احساس گھیر لیتا..... ابھی بھی بالکل ایسا ہوا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی تھا اس کے آس پاس۔۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی سڑک کی طرف بڑھتی رہی۔۔ اچانک اسے اپنے پیچھے سوکھے پتوں پہ کسی کے بھاری پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے خوفزدہ ہو کر پیچھے دیکھا۔ وہ دونو جوان تھے۔۔ حلیہ بے حد رقت تھا۔ شاید کسی کنسٹرکشن سائٹ کے مزدور تھے۔۔ ان کے کپڑے مٹی آلود تھے۔ اور ان کی آنکھیں بھی۔۔ کسی شیطانی جذبے سے آلودہ تھیں۔۔ انہیں یوں اپنی جانب بھوکی نظروں سے تکتا دیکھ کے وہ تیزی سے پیچھے بھاگی تھی اور وہ دونوں بھی۔۔ کہ اچانک ہی اسے زور کی ٹھوکر لگی اور اس سے پہلے کہ وہ گرتی۔۔ مضبوط بازوؤں نے بہت آرام سے اسے سنبھالا تھا اور صرف چند سیکنڈز میں اسے اپنی قید سے آزاد بھی کر دیا تھا۔۔ چارلی کی مہک نے اس کے گرد حصار سا ڈالا تھا۔ اس نے بے اختیار دھڑکتے دل کے ساتھ سامنے دیکھا تھا اور جیسے اس کی نس نس میں اطمینان سا اترتا تھا۔ خوف لمحوں میں زائل ہوا تھا۔ تھری پیس سوٹ میں ملبوس وہ عارفین تھا۔ جس کے چہرے پہ ہمیشہ کی طرح دوستانہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے پیچھے آتے دونوں اوباش واپس پلٹ گئے تھے۔۔

"تویہ طے ہوا کہ ہر جمعرات مجھے صرف آپ کی حفاظت کے لئے فکس رکھنا پڑے گی" اس نے شریہ لہجے میں کہا تھا۔

وہ کچھ نہیں بول پائی تھی۔ اسے حیرت تھی۔ اس شخص کے کتنے روپ تھے۔ کبھی وہ گلی کے اوباش نوجوانوں کے ساتھ کھڑا کپا لوفر لگتا تھا اور کبھی اس قدر سلجھی شخصیت لئے سامنے آتا تھا کہ اس کا پچھلا روپ اسے کوئی خواب لگنے لگتا تھا۔ اسے الجھا الجھا دیکھ کے اس نے بھی مزید کوئی بات نہیں کی تھی اور گھاس کے قطعے کے پاس کھڑی اپنی جیب میں جا بیٹھا تھا۔ عرف نے گم صم سی حالت میں اس کی تقلید کی تھی اور اسکے ساتھ والی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔۔۔ "میرے بارے میں سوچا کریں مگر اتنا بھی نہیں" اس کے بیٹھتے ہی عارفین گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔ وہ چونکی۔۔

"اتنا سوچنے پہ اچھے لوگ ہمیشہ ہاتھ سے نکل جاتے ہیں" اس کی طرف دیکھتے ہوئے عارفین نے گاڑی آگے بڑھائی تھی..... عرف اس بار بھی کچھ بھی بولے بنا سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا گئی تھی.....

☆.....☆.....☆

وہ رات کے پہلے پہر نکلے تھے۔۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا جب ان کی گاڑی تیسرے گاؤں کی حدود کو اس کر رہی تھی۔ اڈے پہ دو تین شہروں کی بسیں تیار کھڑیں تھیں۔ داجی نے ڈرائیور کو یہیں رک جانے کی ہدایت کی "یہاں داجی" وہ حیران ہوا۔

"ہاں بس ہمیں یہیں اتاد دو" انہوں نے اسے ہدایت دیتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ سدیس ابھی تک سو رہا تھا۔ مگر عرف جاگ رہی تھی۔ اسے جاگتا دیکھ کے انہیں خوشی ہوئی کہ انہیں زیادہ مشکل نہیں ہوگی..... اگلا سفر طویل تھا۔ اس میں عرف بے فکر ہو کے نیند مکمل کر سکتی تھی۔ ڈر کے گھنے سائے سے پناہ میں صرف یہ ایک رات تھی اور یہ ایک رات وہ آسانی سے جاگ کر گزار سکتے تھے۔۔ اپنے امان کے بچوں کی امان کے لئے وہ اتنا تو کر ہی سکتے تھے۔ ان کے پاس زیادہ سامان نہ تھا۔ ایک سفری ہینڈ بیگ..... اور ایک بیگ جس میں ان تینوں کی ضرورت کا بہت کم سامان تھا۔ داجی سفر آسان چاہتے تھے اور زیادہ سامان ان کی مشکل بڑھاتا ہی۔ وہ ایک دفعہ کسی سیف جگہ پہ پہنچ جاتے تب سب کچھ لیا جاسکتا تھا۔ بس ایک بار سدیس اور عرف کو ان خونی رشتوں سے بچالیا جاتا تو۔ اور یہی داجی اس وقت کر رہے تھے.....

ڈرائیور نے ان کے کہنے پہ ان کے لئے لاہور کی ٹکٹ لے لی تھی اور ان کا سامان بھی بس میں رکھ دیا تھا۔ عرف اپنی سیٹ پہ بیٹھی تو ڈرائیور نے سدیس کو اس طرح اس کے ساتھ لٹا دیا کہ سدیس کا سر اس کے کندھے پہ اور پاؤں سیٹ پہ لمبے تھے۔ "میں ابھی یہاں بیٹھوں گا تو اسے اٹھالوں گا تب تم بھی آرام سے سو جانا" داجی نے محبت سے عرف کا گال چھوا۔ "مجھے نیند نہیں آئی داجی۔ آپ سو جانا پہلے۔۔ مجھے نیند آئی تو آپ کو جگا دوں گی" اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔۔

اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی چھل دے رہی تھی۔ جب سے وہ حادثہ ہوا تھا یہی نمی اس کی آنکھوں کا رنگ بن کے رہ گئی تھی۔۔ داجی نے اسی لئے اتنا برا فیصلہ لیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں وہی چمک دیکھنا چاہتے تھے جو کبھی اس کے وجود کو بھی رونق بخشی تھی۔۔

اب تو اس کے وجود پہ بھی ویرانیاں سی چھائی دکھائی دیتی تھیں..... انہوں نے محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بس سے باہر آ کر ڈرائیور کو جانے کی ہدایت کی۔

وہ سر ہلا کے سلام کرتا رخصت ہوا۔۔۔ داجی اس کے دور جانے تک بس کی اسی سائیڈ پہ ٹھہرے رہے پھر واپس اپنی سائیڈ پہ آئے۔۔۔ سامنے ہی کھڑی رینٹ کار کے ڈرائیور سے کچھ بات چیت کی اور دوبارہ بس میں آ گئے۔۔۔ "عرف اٹھو بیٹا" اس آدمی کو سامان اٹھانے کا کہہ کر انہوں نے عرف کو مخاطب کیا۔۔۔ وہ حیران سی انہیں دیکھنے لگی "کیوں داجی؟" ہم اس گاڑی میں سفر نہیں۔ مجھے لگتا ہے وہ ڈرائیور یہیں کہیں رک گیا ہے۔ میں نے اس کی گاڑی کو کافی دور جا کے رکنا دیکھا ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کے پاس بھی ہمارا سراغ ہو۔ تم سمجھتی ہونا بچے "وہ فوراً سر ہلا گئی تھی۔ اس بات کو بھلا اس سے زیادہ کون سمجھ اور چاہ سکتا تھا۔ وہ فوراً سڈلیں کو جگا کے سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ داجی نے ذرا آگے کو ہو کر دوسری سائیڈ کا پردہ ذرا سا کھسکا کے باہر جھانکا تھا۔۔۔ سڑک سے کچھ دور واقعی کسی گاڑی کی ریڈلائٹس روشن تھیں۔ ان کا شک صحیح تھا۔ اسفند ان کو اس طرح اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔۔۔ تبھی شاید اس نے ڈرائیور کو ان کی نگرانی کا حکم دیا تھا۔ ان کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنی اولاد کے ڈر سے وہ کس قدر پیارے لوگوں کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا کہ گاڑی بس کی اس سائیڈ پہ ملی تھی جو اس گاڑی کے مخالف سمت تھی۔۔۔ وہ آرام سے نکل سکتے تھے۔ بس کی نسبت یہ سفر زیادہ آرام دہ بھی تھا۔ عرف اور سڈلیں آرام سے نیند پوری کر لیتے۔۔۔ ڈرائیور سامان رکھ چکا تھا۔ عرف نے بھائی کو گاڑی کے اندر بٹھایا اور پھر اس کو سہارا دیتی خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ فوراً اس کی گود میں سر رکھتا سیٹ پہ لمبا ہو گیا۔ عرف اس کی یہ بے اختیار حرکت دیکھ کر مسکرا دی تھی۔۔۔ داجی نے اندر بیٹھتے ہوئے حیرت سے اس کی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔۔۔ شیطانی سايوں سے دور جاتے ہی ان کی عرف کی مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔۔۔ ان کی امید اور پختہ ہو گئی۔۔۔ ان شاء اللہ آگے آسانی ہی آسانی تھی..... ان کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔



ناول ”تومن شدی“ ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

تیسری قسط

رات ڈھل رہی تھی سورج کی نارنجی شوخ کرنیں زمین پہ بکھرنے لگیں تھیں جب وہ پشاور پہنچے تھے۔

”کہاں جانا ہے خان؟“ ڈرائیور نے رنگ روڈ پہ پہنچتے ہی پوچھا تھا یہ پشاور کی انٹرنس مانی جاتی تھی۔ اس کے بعد ہر منزل کو راستے مڑ جاتے تھے۔ ابھی ڈرائیور نے ان سے سوال کیا تھا۔

”بیٹا، پوتی کوڈا کٹر کو دکھانا ہے۔ کسی اچھے ہوٹل لے چلو۔ کچھ دیر بچے آرام کر لیں گے۔“

”جی خان“ اس نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی ایک طرف موڑ دی تھی کچھ دیر بعد وہ ایک خوبصورت مگر سادہ ہوٹل کے سامنے کھڑے تھے۔

”ہدایت ہوٹل“ بورڈ پر نظر ڈالتے ہوئے داجی نے کرایہ ادا کیا اور بچوں کو لے کر اندر چلے گئے..... فی الحال انہیں کچھ دیر آرام سے آنے والے دنوں کے لئے لائحہ عمل طے کرنا تھا۔ اور اس میں سب سے پہلے ایک محفوظ رہائش گاہ کا حصول تھا۔ اس کے بعد سب کچھ آسان ہو جاتا۔ کیوں کہ جس طرح کے حالات اس شہر کے انہوں نے سن رکھے تھے ایسے میں بچوں کو اکیلا ہوٹل میں چھوڑ کے جانا کسی طرح مناسب نہیں تھا اور داجی یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک دودن میں جب ان کے بیٹے کو ان کے جانے کی خبر ملے گی تو وہ سب سے پہلے ان کے اکاؤنٹ بند کروانے کی کوشش کرے گا۔ ابھی انہیں کل صبح ہی کسی اور جگہ سارا پیسہ ڈیپازٹ کرنا تھا۔ انہیں سب کچھ نہایت ہوشیاری اور تیزی سے کرنا تھا وقت کم تھا.....

☆.....☆.....☆

”ابھی تک جاگ رہے ہیں۔۔۔؟ خیریت تو ہے نہ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟؟“

رات کے دو بجے تکیے تلے رکھے سرسراتے موبائل نے اسے جگایا تو سالار کی کال نے اسے صحیح معنوں میں پریشان کر دیا تھا..... وہ کبھی بھی یوں بے وقت کال نہیں کرتا تھا۔

”تم پریشان مت ہو پلینز..... ورنہ میں فون بند کر دوں گا۔“

اسے خود بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اس وقت کال کر کے اسے جگانا..... وہ سالار دن اکیلے پورا گھر سنبھالتی تھی..... بوڑھے معذور باجی کو دیکھتی تھی..... اور بچوں کی ذمہ داری بھی تنہا دیکھتی۔ اس کا دن جس قدر تھکن زدہ ہوتا تھا وہ بخوبی جانتا تھا۔ تبھی ہمیشہ شام کو ہی اس سے لمبی بات کر لیا کرتا تھا۔ رات کو ڈسٹر ب نہیں کرتا تھا۔ اور اس وقت بھی اسے اندازہ تھا کہ وہ اس لئے پریشان ہو رہی تھی کہ وہ ایسا

کسی پریشانی مین ہی کر سکتا تھا۔

”خان“ اس کے دھمکی پہ اس کے لہجے میں فوراً معذرت آ بسی تھی اسے اور ندامت نے آ گھیرا.....

”سندرے“ وہ دھیمے لہجے میں اسے پکار گیا۔

”جی خان“ وہ فوراً جیسے تن من وار نے یہ تیار ہو گئی۔

”پتہ نہیں یار..... میرا دل بہت ادا اس ہو رہا ہے..... ایسا لگتا ہے کچھ ہے جس سے میرا بس اٹھتا جا رہا ہے مجھے بے بس کر رہا ہے“

اس کا لہجہ تھکن سے پُور تھا۔

”خان کیا ہوا ہے۔؟“ آپ ایسے بات کیوں کر رہے ہیں؟“ اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں جھیل سی چھلکنے لگی۔ وہ دوپٹے

اوڑھنے کمرے سے باہر ٹرس پہ آ گئی..... موسم کافی بدل چکا تھا..... لیکن رات ابھی بھی کافی ٹھنڈی تھی۔

”خان آپ ٹھیک ہیں ناں..... دیکھیں سچ سچ بتائیں۔ یا پھر مجھے اپنے پاس بلا لیں۔“ وہ اپنے آنسو نہیں روک پائی تھی..... اس کا

لہجہ بھی بھگنے لگا تھا۔

”سندرے یار میں ویسے بھی ادا اس ہوں تم مجھے اور شرمندہ کر رہی ہو۔ میں نے خواہ مخواہ تمہیں بھی پریشان کر دیا“ وہ چھت کے

کلے احاطے میں کھڑا تھا..... تازہ ہوا بھی اسے سکون دینے میں ناکام رہی تھی۔

”خان میری فکر نہ کرو..... آپ پلیز مجھے سچ بتاؤ کیا ہوا ہے؟؟؟“

”یہی تو نہیں پتہ ناں.....“ اس نے بے بس لہجے میں کہا۔

”آپ کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جائیں خان“

”نہیں میں ٹھیک ہوں یار پھر ابھی ایک مشن پہ ہوں کہاں آ سکتا ہوں“

”پرستان میں تو نہیں یہ مشن؟؟؟“ اچانک ہی اس نے بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خان کا خیال بٹانا چاہتی تھی اسے لگ رہا تھا

کوئی بات ان کے ذہن سے نہیں ہٹ رہی تھی ابھی انہیں بے چینی ہو رہی تھی..... اسے وہ بات فی الحال کی گھڑی انہیں بھلانی تھی.....

”کیا مطلب؟؟؟“ وہ اسکی بات پہ حیران ہوا.....

”مطلب تو صاف ہے خان..... کسی پری وری نے دل تو نہیں چرایا خان کا“ وہ شریر لہجے میں بولی تھی اور سالار کا قہقہہ جاندار تھا۔

”تو بی ہے سندرے.....“ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

اور اسکی ہنسی سنتے ہی سندرے کا دل خوشی سے بھر گیا تھا..... وہ بات بدلنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ خان کا ذہن اس بات سے

بٹانے میں بھی جو انہیں پریشان کر رہی تھی.....

”اچھا..... اگر ایسا واقعی ہے بھی تو..... اگر کسی پری نے تمہارے خان کا دل لے بھی لیا تو کیا ہوگا.....؟“ وہ اب اسے تنگ کر رہا تھا.....
”کیا ہوگا۔؟“ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

”ہم اسے اٹھالیں گے ناں خان پرستان سے بنوں لے آئیں گے“ اس نے کافی سوچنے کے بعد جواب دیا تھا..... سالار اور
ہنسنے لگا تھا۔

”مطلب تم اسے قبول کر لو گی..... اتنا بڑا دل ہے تمہارا“ وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا اور وہ سادگی سے مسکرا رہی تھی.....
”ہم بنوں کی عورتوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں خان..... اپنوں کی خوشی کی خاطر کچھ بھی شیر کر لیتے ہیں..... زندگی بھی
.....“ وہ مضبوط لہجے میں کہتی ایک خوبصورت اعتراف بھی کر گئی..... اور سالار جانتا تھا..... اگر سندرے کسی کو اپنی زندگی مانتی تھی تو وہ صرف
سالار ہی تھا..... اور اس نے واضح لفظوں میں اسے بتا دیا تھا کہ اس کی خوشی کے لئے وہ اسے بھی شیر کر سکتی ہے۔۔ تو کیا وہ اس کے دل کا
حال جان گئی تھی کہ اتنا بڑا اعتبار اسے تھا گئی یا وہ صرف اسے بہلا رہی تھی.....

”اگر کبھی وقت نے آزمایا تو دیکھوں گا ضرور..... کہ بنوں کی عورتوں کے دل کتنے بڑے ہوتے ہیں.....“
”بے شک آزمایا ناں خان..... مجھے کامیاب ہی پاؤ گے“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا.....
”سندرے تم واقعی میری قسمت ہو..... مجھے کبھی خود پہ رشک آتا ہے“

”خان..... زندگی کے ادل بدل پہ پریشان نہ ہوا کرو..... جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اللہ پاک آپ کا مددگار ہے۔
بس آئندہ پریشان نہیں ہوں گے آپ..... وعدہ کریں۔“ اس نے وعدہ مانگا.....
”تمہارے ہوتے ہوئے پریشان ہو سکتا ہوں بھلا.....“ وہ مسکرا دیا تھا۔۔
”چلو اب تم آرام کرو.....“ اس نے سندرے کے خیال سے کہا.....

”اچھا یہ بتائیں آج کھایا کیا.....؟“ وہ جانتی تھی ابھی اسے نیند نہیں آئی تھی۔ وہ اسے ہر طرح سے جانتی تھی۔ وہ خود بھی حیران ہو
جاتا تھا۔ ابھی بھی ایسا ہی ہوا تھا..... وہ بھی نہیں سونا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی ابھی کچھ دیر اور سندرے اس سے باتیں کرے..... تبھی
اس کی بات کے جواب میں تفصیل بتانے لگا تھا..... وہ مسکراتے ہوئے سنے جا رہی تھی..... دور نہر کنارے چکور نے چاند کو چھونے کی کوشش
میں ناکام اڑان بھری تھی..... اور رات اس کی اس حرکت پہ مسکرا دی تھی.....

☆.....☆.....☆

آج بھی ایس گھر لوٹے لوٹے شام ہو گئی تھی۔ صبح عارفین بہت دیر سے جاگا تھا..... اور وہ اس کے جاگنے سے پہلے ہی نکل گئی تھی.....
نہ جانے کیوں وہ اسے اب اتنا سیدھا نظر نہیں آتا تھا جتنا اس نے اور داجی نے اسے سمجھا تھا۔ کچھ نہ کچھ تو ٹیڑھا تھا اسکے کردار میں۔ وہ اب

اس کی طرف سے تشویش میں رہنے لگی تھی..... نہ جانے اس کا کردار کبھی بے حد الجھا تو کبھی اوچھا سا محسوس ہوتا تھا..... تبھی اسے عارفین میں اعتبار بھی ہو رہا تھا۔ وہ ساتھ ہوتا تو عجیب سی بے چینی گھیرے رکھتی..... وہ اس کی طرف نہ بھی دیکھتا تب بھی اسے محسوس ہوتا وہ اسے گھورے جا رہا ہو..... اس کی آنکھوں میں البتہ کبھی اس نے کچھ غلط رنگ نہیں دیکھے تھے مگر پھر بھی کچھ تھا جو اس کا دل اٹھل پھل کر دیتا تھا۔ اسی لئے آج بھی وہ داجی کو سکول کا بتا کے نکل آئی تھی۔ تاکہ عارفین سے اس کا سامنا نہ ہو پائے۔ اس نے سوچا تھا کہ شام سے پہلے ہی گھر لوٹ آئے گی۔ لیکن کام اس قدر زیادہ تھا کہ اسے شام ہو گئی..... ٹیکسی اسے فیر سے کچھ آگے اتار کے چلی گئی۔ نالے کے پل سے لے کر آگے تین گلیاں کر اس کر کے باؤنڈری وال کے قریب ان کا گھر تھا..... وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھی لیکن دوسری گلی میں مڑتے ہی اسے ٹھٹک کے رکنا پڑا تھا۔

اس سے کچھ فاصلے پہ ایک جیپ ٹھہری تھی اور جیپ سے کچھ آگے راستے میں کھڑا وہ شخص..... درمیان میں سالوں کا فاصلہ تھا لیکن وہ پھر بھی لمحوں میں اسے پہچان گئی تھی..... بے اختیار ہی وہ چند قدم پیچھے ہٹی تھی..... موبائل پہ مصروف اس شخص کی نگاہ بھی تبھی اٹھی اور اسے دیکھتے ہی لبوں پہ گہری مسکراہٹ مچلی تھی..... وہی غلیظ، شیطانی مسکراہٹ..... جو آج بھی اسے راتوں کو اکثر سونے نہیں دیتی تھی..... اسے خوف میں مبتلا کر دیتی تھی۔

وہ ایک ایک قدم تو لتا جیسے اس کی طرف بڑھا تھا.....

”کلی مکمل گلاب بن گئی..... لیکن آج بھی وہی معصومیت..... مجھے امید نہیں تھی میں تمہیں اتنی آسانی سے پہچان لوں گا لیکن تمہارا پاکیزہ روپ آج بھی ویسا معصوم ہے کہ مجھے مشکل نہیں ہوئی۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے بولا..... عرف کو اس سے آج بھی ویسی ہی گھن آ رہی تھی جیسی اس شام..... جب وہ رشتوں سے نفرت کرنے لگی تھی..... اعتبار کھو بیٹھی تھی۔

”وہ اس لئے کہ دنیا میں صرف تمہارے جیسے شیطان نہیں نیک لوگ بھی رہتے ہیں جیسے میرے داجی.....“ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔ وہ اب سولہ سترہ سال کی بچی نہیں تھی..... ایک میچور لڑکی تھی..... شیطان اور انسان کو جس طرح ٹریٹ کرنا ہے اچھی طرح جان چکی تھی.....

”واہ..... بکری شیرنی بن گئی ہے..... اب تو اور مزہ آنے والا ہے۔ ورنہ قسم سے بکری کو پالتے پالتے دل بھر گیا ہے۔“ اس نے خباثت سے ہنستے ہوئے اپنی شریف النفس بیوی کا مذاق اڑایا تھا..... وہ لب کاٹ گئی تھی.....

”خیر..... میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا تھا“ وہ دو قدم اس کے نزدیک آیا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہوتی روڈ کے ساتھ بنی کیاری میں آ گئی۔ موڑ کاٹتی گاڑی ایک سائیڈ پہرکی تھی۔ عارفین نے حیرت سے سامنے کھڑی عرف کو دیکھا تھا جو گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے

ہوئی تھی اور اسی بات نے اسے چونکا یا تھا..... عرف کے سامنے کھڑے آدمی کا چہرہ اس کے سامنے تھا جس پہ ناچتی شیطانیت اسے واضح نظر آئی تھی..... جیپ کے ساتھ ٹھہرے پہرے داروں کو دیکھ کے اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ لیکن آج تک نہ تو اس نے کبھی اسے دیکھا تھا یہاں نہ ہی عرف سے کسی مرد کو بات کرتے دیکھا تھا۔ تبھی یہ اس کے لئے حیران کن تھا۔ وہ شخص جس طرح اس سے بات کر رہا تھا اس سے اتنا تو ظاہر ہو رہا تھا کہ ان دونوں میں کوئی رشتہ تھا۔ لیکن اس رشتے سے کچھ تو ایسا جڑا تھا کہ عرف کی ناپسندیدگی وہ اتنی دور سے بھی نوٹ کر سکتا تھا..... اس نے شیشہ نیچے کیا.....

”یہ بلی چوہے کا کھیل ختم کرو عرف.....“ اس کی پھٹی سی آواز وہ سن رہا تھا..... آواز کم تھی لیکن وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ یہ سب اس کی تربیت کا حصہ رہا تھا۔ وہ ننھی سے ننھی آہٹ تک سن لیتا تھا یہ تو پھر مردانی بھاری آواز تھی۔

”تھک گیا ہوں میں..... تمہیں کھوجتے، تلاشتے میری پیاس میں کانٹے شامل ہو گئے ہیں۔ درد ہی درد..... چھین ہی چھین..... مجھے نجات دے دو عرف“ اور اس سے پہلے وہ عرف کا بازو تھام لیتا وہ سائیڈ سے نکل کر دوڑتی چلی گئی تھی..... اسے یوں دیوانہ وار دوڑتے دیکھ کے اس شیطان کا ہتھکھ بلند ہوا تھا وہیں اسٹیرنگ پہ جسے مضبوط ہاتھوں کی رگیں تن سی گئیں تھیں..... عارفین ضبط سے لب کاٹ گیا..... وہ شخص اب جیپ میں بیٹھا اگلی گلی سے نکل گیا تھا..... عارفین نے اس گاڑی کا نمبر ذہن نشین کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”شام کو آپ کس سے بات کر رہی تھیں۔؟“ وہ سونے سے پہلے تھوری دیر کے لئے گھر کے سامنے بنے چھوٹے سے پارک میں ٹھہرنے لگی۔ نہ جانے کب وہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا اسے خبر تک نہ ہوئی تھی۔ تبھی یوں اچانک اس کی آواز سن کر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

”ڈریس مت..... میں وہ بد معاش نہیں عارفین ہوں.....“ وہ اسے اس طرح خوفزدہ ہوتا دیکھ کے شرارت سے مسکرایا تھا۔

”میں کسی سے نہیں ڈرتی۔“

”جی..... جی..... میرا بھی یہی مطلب تھا کہ ابھی بھی نہ ڈریں.....“ وہ بھلا اسے چرانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا۔ اس بار عرف خاموش رہی تھی۔

”اچھا بتائیں تو وہ کون تھا۔؟“

”کیون بتاؤں؟“

”اوکے نہ بتائیں..... میں داجی سے پوچھ لوں گا۔ وہ شکل و صورت بتانے سے تو پہچان ہی جائیں گے.....“ شام سے مسلسل اسے الجھا الجھا دیکھ کے وہ اتنا تو جان ہی گیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا عرف اس کے آنے کے بعد مسلسل پریشان ہی رہی تھی اور اسکے بارے میں وہ داجی کو بھی کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ داجی بار بار اس سے پریشانی کی وجہ پوچھتے رہے مگر وہ ٹال گئی..... اور اب اسی بات کو اس نے

ہتھیار کے طور پہ استعمال کیا تھا.....

”ہے ایک تمہاری طرح ڈھیٹ۔۔ جہاں دیکھو وہاں میرے پیچھے آ جاتا ہے“ داجی کا سن کر عرف نے بات بتانے کے ساتھ ساتھ دل کی بھڑاس بھی نکالی تھی۔ عارفین کے یا قوتی لب نے اختیار مسکرا دیئے تھے۔

”اچھا..... حیرت ہے۔“ وہ بیٹج پر بیٹھی تو وہ بھی بلا تکلف اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا..... عرف نے تیز نظروں سے اسے دیکھا لیکن پرواہ کئے تھی۔ وہ پورے اعتماد سے وہیں جماتا تھا.....

”اسے دیکھ کے تو گھبرا گئیں تھیں ناں آپ“

”میرا مطلب اسے دیکھ کے جس طرح گھبرا کے آپ پیچھے ہٹیں تھیں ویسے مجھے دیکھ کے تو نہیں گھبراتا..... بلکہ الٹا شیر ہو جاتی ہیں..... کاٹ کھانے کو دوڑتی ہیں.....“ پاؤں پہ پاؤں جمائے اس نے دور ایک جلتی بجھتی سڑیٹ لائٹ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اور عرف..... اس کی بات پہ بے ساختہ اسے دیکھنے لگی تھی.....

یہ واقعی حقیقت تھی۔ اس کی طرف سے ہزار خدشات سہی بہر حال اسے کبھی ڈر محسوس نہیں ہوا تھا عارفین سے۔ بلکہ وہ آس پاس ہوتا تو وہ عجیب سی حفاظت کا حصار محسوس ہوتا اسے اپنے ارد گرد.....

”اگر کوئی برانہ لگے تو اسے اچھا بھلے نہ کہہ سکیں مگر برا بھی نہیں کہنا چاہیے“ وہ اچانک اس کی طرف دیکھ کے سنجیدگی سے بولا تھا وہ نظریں نہیں بدل سکتی تھی.....

”دل ہرٹ ہوتا ہے ناں۔“ اگلے ہی پل شرارت سے آنکھ دباتا وہ پھر سے سنجیدگی کا دامن چھوڑ چکا تھا..... وہ منہ بنا کے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”سارہ رات یہیں گزارنی ہے تو بتا دیں۔۔ میں کچھ کھانے کو ہی لے آؤں“ اس کی خاموشی پہ وہ مزید بولا.....

”تمہیں چپ نہیں آتی“ وہ بھڑکی

”رات کو جاگوں تو بہت بھوک لگتی ہے ناں۔۔ رات بھی آپ کی وجہ سے میں ساری رات نہیں سو پایا اور آج پھر.....“ وہ معصوم صورت بنا کے بولا۔

”میری وجہ سے“ وہ حیران ہوئی

”ہاں آپ کی وجہ سے..... ادھر آنکھیں بند کرو ادھر آپ کا غصہ کرتا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے“ کمال معصومیت سے آنکھیں پٹیٹاتا اسے سچ میں غصہ دلا گیا تھا۔

”داجی کے دوست کے ہوتے سوتے نہ ہوتے تو سچ میں اب تک قتل کر چکی ہوتی۔“

”دیکھا..... بس اب آج رات ساری رات یہی دھڑکا لگا رہے گا اور نیند غائب“
 ”عارفین.....“ وہ مٹھیاں بھیج کے رہ گئی۔

”تم لا علاج ہو“ غصے سے پیر پٹختی وہ اٹھ کر گھر کی طرف بڑھ گئی۔ عارفین کی مسکراتی نگاہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

”کاش آپ کو بتا سکتا عرف..... آپ نے میری زندگی میں کتنی مشکل بھردی ہے..... زندگی میں پہلی بار عارفین نے خود پہ اختیار کھودیا ہے۔ دل کے ہاتھوں کھلونا بن گیا ہے..... یہ دل بھی ناں.....“ اس نے سینے پہ ہاتھ دھر کے دھیرے سے مسلاتھا..... جہاں ہلکا ہلکا درد انگڑائی لے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسے وہاں چھوڑ کے وہ کمرے میں تو آگئی تھی لیکن اس کے لفظوں کی بازگشت اس کے ساتھ اندر آئی تھی.....
 ”اسے دیکھ کے تو گھبرا گئیں تھیں ناں آپ.....“

اور یہ سچ تھا..... وہ سبحان لالا..... جو اس کے بڑے بھائی کی طرح تھے..... وہ جن کو بابا کے بعد کے بعد ان کو سب سے بڑی پناہ سمجھتی تھی۔۔۔۔۔ جو انہیں بالکل بابا کی طرح ہی عزیز تھے..... اور جن سے بابا کی خوشبو آتی تھی..... لیکن جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی..... اس نے جاننا شروع کیا تھا..... وہ پناہ گاہ نہیں تھے بلکہ مہربان کا کا اور سبحان تو ان کی پناہ گاہ چھیننے کے درپے تھے..... اسے ان کی آنکھوں کے رنگ پڑھنا آئے تو خود بخود فاصلہ پڑھتا گیا..... کہ وہ ایک بھائی کی محبت کے نہیں تھے بلکہ ایک مردار، حرام چاہت کے تھے..... بھوک تھی حوس تھی جو اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگی تھی..... اور جب انہوں نے ہر احترام ہر پاس ہر مان کا گلا دباتے ہوئے اسے دبوچا تھا تب اسے بابا کی نہیں کچھ خون کی بو آئی تھی اسے..... وہ اب ان کو دیکھ کے مطمئن اور خوش نہیں ہوتی تھی بلکہ واقعی گھبراجاتی تھی۔۔۔۔۔

ڈرجاتی تھی.....

اور عارفین.....

اس نے کروٹ بدلی.....

عارفین پہ اسے شک تھا..... کچھ تشویش بھی لیکن حیران کن طور پہ وہ آس پاس ہوتا تو وہ مطمئن ہو جاتی تھی..... خود بخود..... شاید اسے خود بھی اس احساس کی خبر نہ ہوتی اگر عارفین توجہ نہ دلا دیتا.....

وہ اسے دیکھ کے حقیقت میں کبھی نہیں گھبرائی تھی۔ ہاں مگر کچھ پزل ضرور ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔ کسی بھی مشکل جگہ پہ پھنستے ہی نہ جانے کیوں اس کا دل کرتا کہیں سے عارفین آئے اور اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے.....

اور ایسا کل بھی تو اس نے سوچا تھا..... وہ جب اس نے اچانک سبحان کو وہاں لگی میں کھڑے دیکھا تھا.....

اس سوچ پہ وہ چونک کے اٹھ بیٹھی تھی.....

”یا اللہ..... تو کیا میں ایک غیر آدمی سے جس کا کردار ہی مشکوک ہے امیدیں لگانے لگی ہوں..... پاگل تو نہیں ہو گئی میں۔“ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر جیسے خود کو سمجھایا..... تبھی ساتھ پڑے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی اس نے فون اٹھا کر چیک کیا انجان نمبر تھا.....

”سبحان خان ولد مہربان خان..... ایک علاقے کا سردار ہے اور سیاست میں بھی کافی اثر و رسوخ رکھتا ہے..... آپ کا کون ہے یہ نہیں جان پایا..... لیکن وعدہ ہے کچھ بھی الٹا پلٹا ہوا اس کی طرف سے تو زمین تنگ کر دوں گا..... ورنہ عارفین نام نہیں.....“ پیغام بھیجے

والے نے آخر میں اپنا تعارف بھی کروا دیا تھا..... اس کے انداز پہ وہ بے ساختہ کھلکھلائی تھی..... اگلا پیغام ملا اس نے اوپن کیا.....

”اب ہر دفعہ کی طرح ڈانٹ دیتیں۔ اس طرح ہنسنا ضروری تھا۔ اب پھر ساری رات نیند نہیں آئے گی.....“

اس پیغام کو پڑھتے ہی اس نے چونک کے سامنے کھلی کھڑکی سے باہر نگاہ کی تھی۔ وہ سامنے سیڑھیوں پہ ٹھہرا تھا۔ لبوں پہ وہی ازلی مسکراہٹ تھی.....

”مرہم“ اس نے بھی ٹائپ کر کے بھیج دیا تھا۔ اور اٹھ کے کھڑکی بند کر دی تھی.....

”پاگل..... لہنگا۔“ اس نے اتنے پیارے بندے کو کیا کیا کہہ دیا تھا۔

کوئی تو عارفین کو بتا دے جا کر پلیز.....

☆.....☆.....☆

اگلے دن صبح سویرے ہی انہوں نے اپنے دونوں اکاؤنٹس سے ساری رقم نکالوا کر کچھ سیونگ سرٹیفکیٹس بنوائے تھے۔ اور کچھ رقم اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اب انہیں جلد از جلد اپنے لئے ایک محفوظ چھت ڈھونڈنی تھی..... اس کے لئے انہوں نے فوری طور پہ دو تین پراپرٹی ڈیلرز سے رابطہ کیا تھا.....

”سر..... جس پیکج پہ آپ رہائش چاہ رہے ہیں اس طرح کی ایک دوسائٹس ہیں ہمارے پاس لیکن.....“ ایک ڈیلر نے فوراً بتایا۔

”لیکن کیا.....؟“ وہ بے چین ہوئے.....

”لیکن یہ کہ وہ ایریا شہر سے باہر ہو جاتا ہے..... ایریا اچھا ہے۔۔ لیکن اس فیز میں آبادی زیادہ نہیں ہے۔ کیوں کہ اس جگہ باؤنڈری وال ہے۔ جس کے پار خیرابنجنسی کی حد شروع ہو جاتی ہے بس صرف اسی وجہ سے۔ ورنہ وہاں بھی سہولیات کافی ہیں۔“ اس نے تفصیل بتائی۔

”ہمیں بالکل بھی مسئلہ نہیں آپ بس ہمیں جگہ دکھا دیں اور جتنی جلدی ہو سکے ہمیں سارے معاملات طے کروا دیں۔ ہم جلد از جلد شفٹ کرنا چاہتے ہیں۔۔ میں بہت پریشان ہوں بیٹا اگر جلدی کچھ ہو سکے تو۔۔“ انہوں نے اصرار کرتے ہوئے کہا.....

”اصل میں جوان بیٹی ہے ساتھ اور ایک ننھا بچہ بھی۔ کرائے پہ رہ رہے تھے اچانک ہی نکال دیا اب ہوٹل میں ہیں..... حالات تو آپ کو پتہ ہی ہیں ایسے میں ہوٹل میں رہنا بھی تو ٹھیک نہیں نا۔“

”آپ کل صبح آجائیں تو میں آپ کو دکھا دیتا ہوں اور اگر آپ کو گھر زیادہ جلدی ضرورت ہے۔ تو فی الحال میں کرائے پہ آپ کو یہ گھر دے سکتا ہوں کاغذات مکمل ہونے کے بعد آپ کو شفٹنگ کی پریشانی بھی نہیں رہے گی۔“

اس نے فوراً دوسرا صل پیش کیا.....

”بالکل صحیح ہے..... اگر کل ہی یہ سب بندوبست ہو جاتا ہے تو بہت مہربانی ہوگی۔“

”آپ کل صبح آجائیں تمام ضروری کاغذات لے کر..... کچھ قانونی کارروائی کرنا پڑے گی اس کے بعد میں آپ کو وہاں لے جاؤں گا اگر آپ پہلے گھر دیکھنا چاہیں تو پہلے بھی جا کر دیکھ سکتے ہیں۔“

”نہیں بس یہ پہلی بات صحیح ہے۔ چھت مل جائے کافی ہے۔“ انہوں نے مطمئن انداز میں کہا اور اجازت لی..... ان کو خود بھی کسی ایسے ہی گھر کی تلاش تھی جہاں زیادہ تر آبادی انجان ہو۔ اور درواز علاقہ ہی ان کی پہلی ترجیح تھی..... اس طرح سبحان اور مہربان سے چھپنے میں ان کو آسانی رہتی..... کیوں کہ فی الحال یہی بڑا مسئلہ تھا۔ باقی مسائل وہ بعد میں آرام سے حل کر سکتے تھے۔ دیر ہو جاتی تھوڑی مگر اس میں ان سب کی بھلائی تھی اور وہ یہ بات بخوبی جانتے تھے.....

☆.....☆.....☆

سبحان خان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ داجی کچھ دن ناراض ہونے کے بعد خود ہی مان جائیں گے..... لیکن اگلے ایک ہفتے تک جب انہوں نے کوئی رابطہ نہ کیا تو مہربان خان نے ان کا پتہ کروایا تھا۔ کوئل کے بھائی نے ان کے اسی روز جانے کی خبر دی تھی جس دن آخری مرتبہ ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے مطابق داجی ان کو اپنے گھر کا ہی کہہ کر گئے تھے اور ڈرائیور بھی ان کو حویلی سے ذرا دور ہی چھوڑ آیا تھا..... وہ ڈرائیور کو اندر ساتھ نہیں لے جانا پاہتے تھے..... انہوں نے حتی الامکان مہربان کو الجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ الجھ بھی گئے تھے.....

وہ یہی سمجھے تھے کہ داجی ان کے ساتھ ساتھ اپنے بھتیجوں کو بھی ڈانچ دیا تھا اور کسی انجان مقام کی طرف نکل گئے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ انہیں نکلے ایک ہفتے سے اوپر ہو گیا تھا۔ اگر ایک دو دن کی بات ہوتی تو وہ بہت جلد ان تک پہنچ سکتے تھے..... مگر اب تو وہ کسی ایسی جگہ ضرور قیام کر چکے ہوں گے جہاں انہیں سو فیصد یقین ہو کہ مہربان نہیں پہنچ پائے گا..... مہربان خان کو اب غصہ آنے لگا تھا خود پہ..... انہوں نے خواہ مخواہ ہی داجی کو وقت دیا تھا۔ ان کی بات کو ہلکا لیا تھا..... ان کے غصے کو نظر انداز کیا تھا۔

اور اب یہ تاسف ان کو گھیرے جا رہا تھا.....

سب انتظامات بھی بہترین تھے۔ سب سے بڑی بات کہ اس گھر کے تینوں طرف دوسرے گھر تھے۔ اور آگے سڑک کے پار ایک چھوٹا سا سپر سٹور جس کی وجہ سے یہ محفوظ ہو گیا تھا۔ تین طرف گھر اور ایک طرف سپر سٹور مطلب لوگ چوبیس گھنٹے یہاں رہتے اور اس طرح ان کا گھر درمیان میں ہونے کی وجہ سے عرف اور سدیس کی طرف سے باہر جا کے بے فکر رہتے۔۔

صرف ایک دو گلیاں چھوڑ کے ہی کچھ اہم دفاتر شروع ہو جاتے تھے جن پہ مسلسل کڑا پہرہ ہوتا تھا۔ سواس طرح سے بھی یہ علاقہ انہیں سوٹ کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے عرف کی رضامندی جانتے ہی یہ گھروں اوکے کر دیا تھا۔ فی الحال کرائے پہ لے لیا اور فوراً کچھ سامان کا بھی اسی ڈیلر نے بندوبست کروا دیا تھا۔ کچھ دن تک مالکان کے آتے ہی کاغذات ان کے حوالے کر دیئے جاتے۔۔ اب وہ ہر طرح سے محفوظ تھے۔ اور ان کے بچے بھی۔۔ سبجان نامی آسیب اب ان تک آسانی سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اتنے دنوں بعد انہیں اطمینان ملا تھا اور عرف تو جیسے پہلے کی طرح کھل سی گئی تھی۔۔

یہاں کی پہلی بارش میں وہ اور سدیس ناپچتے جھومتے داجی کی ساری تھکن زائل کر گئے۔۔ باقی رہا تو صرف سکون اور سچی مسرت۔۔ اپنا آسٹیاں بچا لینے کی۔۔

☆.....☆.....☆

وہ کسی کتے کی طرح ان کی خوشبو سونگھتا ہوں پھر ہاتھ۔ آس پاس کے سارے گاؤں میں چھان مارے تھے۔ "چھوڑ دو خان۔۔ اب وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔" سارا دن اس شیطان سے عرف کی حفاظت کی دعا مانگتی کوئل سر شام اس کے گھر لوٹتے ہی اس کی ہمت توڑنا شروع کر دیتی۔۔

"مل جائے گی۔۔ مل جائے گی۔۔" وہ اس کی بات پہ غصے سے رال پٹکتا اس کے بال جکڑ لیتا۔ "اور ویسے بھی ابھی مجھے اتنی اندھیر بھی نہیں چلی تو بھی اس سے کم تو نہیں۔۔ فی الحال تجھ سے ہی اپنے اندر کی آگ بجھا لیتا ہوں ناں کافی ہے" بالوں سے کھینچ کر وہ اسے خود پہ گرا لیتا۔۔ اس کا نرم کوئل وجود نفرت سے بس پھر پھڑا کر رہ جاتا۔۔ "جتنے تک وہ ہلتی ہے تجھ پہ بھی رحم کر لو ناں۔۔ اس کے بعد پھر کس کا دل چاہے تیرا ڈھلتا حسن پانے کو" وہ اس کی کھال چھیل لیتا اور وہ سسکتی تو تھقبے لگا تا۔۔

"کبھی اپنے لیے بھی دعا کر لیا کر اس کے لئے ہی ساری دعائیں مانگتی ہے" اس کی روح کو لیر لیر کرتا وہ تمسخر سے کہتا۔۔ "دعا کی کیا ضرورت خان۔۔ میں جانتی ہوں اللہ کافی ہے اور وہ بھولتا بھی نہیں" وہ خون رستے ہوٹوں سے مضبوط لہجے میں بولتی اسے اور بھڑکا دیتی۔۔ غلیظ گالیاں بکتا وہ اسے روئی کی طرح دھنکتے نیچے پھینک دیتا۔۔ لیکن پھر بھی اس مرد کو سکون نہیں آتا تھا۔۔ سینے کی آگ مزید دہک جاتی تھی اور وہ ملائم سی عورت لیر لیر وجود لئے سکون سے اپنے رب کی طرف مائل ہو جاتی تھی۔۔ یہ یقین تھا جو کبھی مایوس

نہیں ہونے دیتا بندے کو اللہ کے خاص بندے کو...

☆.....☆.....☆

سیونگ سٹوفکیٹ سے اس قدر آمدنی ہونے لگی تھی کہ ان تینوں کا گزارا آرام سے ہونے لگا تھا۔ داجی نے ایک اچھے کالج میں عرف کا داخلہ کروا دیا تھا۔ سدیس بھی اسکول جانے لگا گھر کے ساتھ ساتھ تعلیم کی مصروفیت ملی تو عرف مزید سنبھل گئی داجی نے دیکھا تھا وہ بھولنے لگی تھی..... کبھی کبھار جو وہ بیٹھے بیٹھے ڈرجاتی تھی..... چیخا چلانا شروع کر دیتی تھی وہ سب بھی اب ختم ہو گیا تھا..... داجی نے احتیاطاً عرف اور سدیس دونوں کو اسفند اور کچھ دوسرے دوستوں کے نمبر ڈائری میں نوٹ کروا رکھے تھے..... وہ عمر کے اس حصے میں تھے جہاں کبھی بھی کچھ بھی ہونے کا ڈر ساتھ رہنے لگتا ہے..... ایسے میں وہ بچے بنا کسی خوف کے ان سب سے رابطہ کر سکتے تھے۔

پڑوس کے لوگ بھی قسمت سے اچھے ملے تھے پڑھی لکھی فیملیز تھیں اور سب نوکریوں کی وجہ سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ عرف نے زندگی ڈگر پہ آتے ہی ٹیوشن پڑھانا بھی شروع کر دی تھی۔ جس سے اخراجات سے زیادہ اسی کی ذہنی بہتری میں کافی معاونت حاصل ہوئی تھی۔ اور یہ سب داجی کے لیے بہت خوش کن تھا۔

وقت نے رفتار پکڑی تھی..... کبھی کبھی زندگی میں ایسا کوئی موڑ آتا ہے جب سفر نہیں راستے ٹھہر جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں بھی ایسا موڑ آیا تھا....

راستے ٹھہر سے گئے تھے۔ منزل کہیں اوجھل سی ہو گئی تھی۔ پھر بھی انہوں نے سفر جاری رکھا تھا۔ سفر کور کنے نہیں دیا تھا۔ اور وہ کامیاب ہوئے تھے۔ راستے خود بخود بنتے چلے گئے تھے۔ راہ سے راہ نکلتی چلی گئی تھی۔ اللہ پاک نے ہی مدد کی اور مشکل سے مشکل وقت یوں گزرا کہ ان کا سر سجدہ شکر میں جھک گیا۔

زندگی نے بھی یونہی رفتار پکڑی تھی۔ سدیس ہائی سکول میں آ گیا تھا اور عرف نے ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کر لی تھی ماسٹرز کے بعد۔ زندگی پھر سے مکمل ہو گئی تھی۔

اگر بس سدیس بچھڑتا....

حادثہ تھا یا قیامت۔

آ کر گزر بھی گیا۔

جو سوچتے تھے کبھی نہیں مسکرا پائیں گے۔

کچھ نہیں کر پائیں گے...

ان کے ہاتھوں میں دوبارہ سے نئی منزلوں کے نشان تھے۔

اور زندہ لوگ یہی تو ہیں....

وہ اللہ پاک کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت پر صبر کرتے ہیں...

اور اس کی طرف ہی دیکھتے ہیں....

☆.....☆.....☆

وہ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے پاگل ہو جاتا پھر پاگل کتے کی طرح کوئل کو کاٹ کاٹ ڈالتا...

اس کی رسی لمبی ہوتی گئی.....

اور کوئل کا صبر عظیم...

عورت میں یہی تو خوبی ہے...

وہ اس قدر گہری ہے کہ سات سمندر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں...

اور اسی گہرائی کی وجہ سے ہی وہ اکثر سسرال میں صرف گزارہ کرتی ہے۔۔

کر لیتی ہے۔۔

بڑے جگر کے ساتھ...

سب کچھ سہہ جاتی ہے...

انتقام اللہ کو لکھواتے۔۔

اور اس طرح وہ سب بچا لیتی ہے۔۔

راکھ ہونے سے۔۔

خاک ہونے سے...

کسی اور کا نہ سہی اپنی اولاد کا۔۔ اپنی آنے والی نسل کا۔۔

اس نے بھی یہی کیا تھا۔۔

خود ذلت سہی تھی۔۔ اور اپنے بیٹے کو عزت دی تھی۔۔

وہ سبحان خان کا بیٹا تھا...

اکلوتا وارث....

سبحان خان کی زندگی میں کئی لڑکیاں سہی...

مگر اس حویلی کی مالکن وہ تھی۔۔

اس کے بیٹے کی ماں...

اس کی بیوی...

جس کی بھلے وہ عزت نہیں کرتا تھا۔۔۔

لیکن جس کی سب عزت کرتے تھے۔۔

وہ اخلاق و کردار کی صورت تھی جسے سب گاؤں والے نہ صرف چاہتے تھے بلکہ اس کی ایک بات پہ فیصلے قبول کر لیتے تھے۔۔ نہ جانے کب لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جرگے کے فیصلے اس کے در پہ ہونے لگے تھے۔

ظلم کی جگہ انصاف نے لی تو اس گھر کے چرچے ہونے لگے تھے۔ سبحان اور مہربان کے لئے یہ سیاسی مضبوطی تھی۔۔ سواس بار وہ بھی چپ تھے یا شاید رسی کھینچی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ جاوید خان تھا۔۔ سبحان خان کا خاص کارندہ۔۔ کسی کام سے پشاور آیا تھا۔۔ اس کے چھوٹے بیٹے کو کڈنی کا مسئلہ تھا۔۔ وہ حیات آباد میڈیکل کمپلکس میں داخل تھا۔۔ کسی کام سے وہ اس دن شہر جا رہا تھا جب اس نے حاجی کو دیکھا تھا۔۔ اور اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

وہ تو سارے نزدیکی گاؤں شہروں میں انہیں ڈھونڈتے رہے تھے اور وہ ملے بھی تو کہاں... شہر پشاور میں۔

اتنی دور۔۔ اتنی بھیڑ والے شہر میں ان جیسے ضعیف آدمی نے کیسے کیونکر ٹھکانہ ڈھونڈا تھا وہ سچ حیران تھا۔۔ اس نے فوراً ان کا پیچھا کرنا شروع کیا تھا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے تھے۔۔ یہی عمل جاوید نے کیا تھا۔ ان کا پیچھا کرتے کرتے وہ گھر پہنچا تھا۔۔ ساتھ والوں سے ان کے بارے میں معلومات پہ پتہ چلا تھا کہ وہ اپنی ایک پوتی کے ساتھ رہتے ہیں۔۔ ان کا پوتا بھی تھا جو اے پی ایس اٹک میں مارا گیا۔۔ اور ٹھیک ان کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کے اس نے سبحان کو فون پہ ان کے مل جانے کی اطلاع دی تھی۔

سبحان اس قدر پاگل ہوا تھا یہ اطلاع پا کر کہ اسی وقت روانہ ہو گیا تھا۔۔ موسم بھی خراب تھا آج لیکن اسے کب پرواہ تھی اسے بس عرف تک پہنچنا تھا۔ اس آگ نے اسے اتنے سال جلایا تھا اس کے بجھانے کے دن آگئے تھے۔۔ سدیس کے مرنے کی خبر پہ بھی اسے کمینی سی خوشی ہوئی تھی۔ اب وہ اور اس کا بیٹا وارث تھے..... جائداد کے مال و متاع کے۔۔ اب عرف بھی اس کی پہنچ سے دور نہیں تھی.....

☆.....☆.....☆

جب سے اس نے سبجان کو دیکھا تھا اسے عرف کی طرف سے پریشانی سی لاحق رہنے لگی تھی۔۔۔ اس نے داجی سے سبجان کے بارے میں بات کر لی تھی اور حیرت انگیز طور پر انہوں نے بھی ساری کہانی اسے سنا دی تھی۔ عرف کے بارے میں اتنے بڑے حادثے کا جان کر سچ مچ اس کا دماغ کھول بیٹھا تھا۔۔ اور اس شخص کی ڈھٹائی پہ اس کا دل اسے قتل کرنے کا چاہ رہا تھا جو اتنے عرصے بعد بھی اس معصوم سی لڑکی کے پیچھے پڑا تھا۔

"سگ خون اتنا پلید ہو سکتا ہے بیٹا میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا" داجی نے نم لہجے میں بات ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ابھی عرف کہاں گئی ہے داجی" اسے عرف کی اور پریشانی ہونے لگی تھی۔ سبجان جیسا بندہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"اسکول میں جاب کرتی ہے نہ۔۔ وہیں ہوگی" داجی نے بتایا

"کال ملائیں..... ذرا اسکو اس سے پتہ کریں" داجی نے اس کے کہتے ہی کال کی

"وہ تو وہاں سے ریزائن کر چکی ہے" داجی کی بات پر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"تو پھر وہ اس وقت کہاں ہوگی داجی۔"

"کسی اور دن کا تو پتا نہیں مگر آج جمعرات ہے سو وہیں بھائی کے پاس ہوگی" وہ اس کی ہر عادت سے واقف تھے تبھی فوراً بولے

تھے۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں ابھی آتا ہوں داجی"

"عرف کا خیال رکھنا بیٹا" وہ سر ہلاتا باہر نکل گیا تھا

☆.....☆.....☆

"حیرت ہے گلابی رنگ کسی پہ اس قدر پیارا لگ سکتا ہے" حیرت میں ڈوبی آواز پہ اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

"تم۔۔۔" وہ اچھلی

"تم یہاں بھی میرے پیچھے آ گئے"

وہ سچ میں حیران تھی۔

"بالکل بھی نہیں۔۔" فوراً نفی میں سر ہلایا گیا

"آپ ہی وہاں پہنچ جاتی ہو جہاں میں جاتا ہوں"

سہولت سے بازی پلٹی گئی

"میں"..... وہ چلائی..... وہ بس اثبات میں سر ہلا آ گیا

ہو چکی تھی۔۔ پہلے لمحے میں وہ آواز اسے اب بھی اسی طرح خوفزدہ کر دیتی تھی۔ بے اختیاری وہ خود کو عارفین کے پیچھے چھپانے کے لئے اس کی اوٹ میں ہوئی تھی۔۔ اور اس کے اس بے اختیار خوفزدہ انداز پہ عارفین اسی قدر اعتماد سے دو قدم آگے آیا تھا۔۔

"گلتا ہے کسی کو تمہاری تربیت کرنے کا موقع نہیں ملا۔؟" پتھریلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔۔

سبحان خان کی نظروں میں بھی کچھ ایسا ہی سرد تاثر تھا اس کے لئے۔۔

"ہمارے خاندان کی ہی تربیت ہے کہ ہمارے گھر کی بہن بیٹیاں یوں اجنبیوں یا غیر مردوں کے ساتھ نہیں گھومتیں" اس نے بھاری لہجے میں جواب دیا تھا۔

"اوہ۔ تو عرف تمہاری بہن ہے یا بیٹی۔؟" کہتے ہوئے عارفین کے ہونٹ ذرا سالتنی سے مسکرائے تھے۔۔

"تم سے مطلب۔۔؟" سبحان خان بھی مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔۔

"عارفین۔ چلو یہاں سے....." عرف نے اس کا مضبوط بازو اس قدر اعتماد سے تھامتے ہوئے کہا تھا کہ کچھ ٹھانپے تو وہ خود بھی حیران رہ گیا تھا۔

"عرف۔۔ جاؤ گاڑی میں بیٹھو" سبحان نے اس کی حرکت دیکھتے ہی ضبط سے لب کچلتے ہوئے کہا تھا مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے دوبارہ عارفین کا بازو جھلانے لگی تھی۔۔

"عارفین! پلیز چلو" عارفین کے لبوں پہ پیاری سی مسکان چل اٹھی تھی۔ اس نے سبحان کی جلتی آنکھوں اور بجتے چہرے پہ ایک نظر ڈالی اور آہستگی سے اپنا مضبوط ہاتھ، مضبوطی سے اپنا بازو پکڑے عرف کے کول ہاتھ پہ رکھ دیا۔ یوں جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔۔

اس کی حرکت پہ سبحان نے نظروں سے اپنے آدمیوں کو اشارہ سا کیا تھا۔ پیچھے کھڑے گن مین تیزی سے عارفین کی طرف بڑھے تھے۔ عرف ڈر کے مزید اس کے قریب ہوئی تھی لیکن وہ اسی مضبوطی سے وہیں ڈٹا رہا تھا۔۔

دونوں آدمیوں نے گنزاں پہ تو لیں تھیں۔ اس کے بازو پہ عرف کی گرفت مضبوط ہوئی تھی اور عارفین نے ہلکے سے اس کا وہی ہاتھ تھپتھا دیا تھا۔۔ فضا میں گن لوڈ ہونے کی زوردار آواز گونجی تھی۔

☆.....☆.....☆

ڈوریل کی آواز پہ اطمینان سا ان کے ضعیف چہرے پہ لہرایا تھا۔۔ وہ کتنی دیر سے عرف اور عارفین کا انتظار کر رہے تھے۔۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے گیٹ کھولا لیکن اگلے ہی پل بری طرح چونکے تھے۔ وہ وہی پراپرٹی ڈیلر تھا جس نے کئی سال پہلے انہیں یہ گھر حاصل کرنے میں مدد کی تھی۔۔ اور اسی لئے وہ آدمی ان کی یادداشت میں محفوظ ہو گیا تھا کہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔۔

"آپ مجھے پہچان گئے۔ جبکہ مجھے لگا تھا مجھے کافی پرانی داستان سنائی پڑے گی۔" ان کی نظروں میں شناسائی کے رنگ دیکھ کے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا.....

"میں کبھی اپنے محسنوں کو نہیں بھولتا" اسے اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن پھر بھی میں شدید حیران ہوں کہ اتنے سال بعد یوں اچانک....." اس کے بیٹھے ہی داجی نے کہا

"مجھے خود بھی امید نہیں تھی کہ اتنے سال بعد میں واپس اسی گھر آنے والا ہوں اور آپ سے ملاقات کرنے والا ہوں" وہ جیسے ان

سے مل کے خوش تھا۔

"عرف بی بی آپ کی وہی پوتی ہے جو اس دن آپ کے ساتھ تھی۔" اس کے سوال پہ داجی مزید حیران ہوئے تھے۔

"ہاں..... لیکن آپ....."

"عرف بی بی سے ملنے ہی میں یہاں آیا ہوں۔ ان کی کچھ زمین تھی ان کے آبائی گاؤں سے باہر۔ عرف کے مطابق اس

زمین کا عرف اور اس کے داجی مطلب آپ کے علاوہ کسی کو علم نہیں۔ اسے وہ بیچنا چاہتی ہیں۔" اس کی بات پہ داجی خاموش سے اسے

دیکھتے رہ گئے۔

"عرف نے بتایا مجھے کہ اس کا چھوٹا بھائی اے پی ایس کے حادثے میں....." وہ بات مکمل نہ کر سکا۔ داجی نظریں جھکا کر جیسے

زمین پہ کچھ کھوجنے لگے تھے۔

"مجھے اب واقعی بہت افسوس ہو رہا ہے آپ کا وہ ننھا سا پھول۔" اس کی آواز میں افسوس تھا۔ کچھ دیر یونہی وہ دونوں خاموش رہے تھے۔

"عرف چاہتی ہیں کہ وہ زمین بیچ کر سدیس کے نام سے ایک ایسا سکول بنائیں جہاں وہ بچے تعلیم حاصل کر سکیں جو رزق کمانے

کے چکر میں اس اہم حق سے محروم ہیں۔ اور عرف کے مطابق ہی یہ خواب اصل میں ان کے بھائی سدیس کا ہی تھا" اس نے بات ختم کی۔

ساری بات سن کر داجی کے ہونٹ مسکرا اٹھے.....

"تو آپ مجھ سے اجازت لینے آئے ہیں۔ عرف جو چاہے کرے میں اس کے ہر عمل ہر خواب میں اس کے ساتھ ہوں" داجی

نے اسے اطمینان دلایا۔

"عرف نے بھی یہی کہا تھا مگر مسئلہ دوسرا ہے۔ سبحان نامی شخص یہ نہیں چاہتا....." اس کی اگلی بات پہ وہ بری طرح چونکے تھے۔

"اس کے مطابق وہ اس زمین کا وارث ہے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی اس زمین کا سودا نہیں کر سکتا۔"

"تو سبحان ایک بار پھر مکمل طور پہ عرف کے پیچھے پڑ چکا ہے" انہوں نے سوچتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

"میں اسی سلسلے میں عرف بی بی سے بات کرنے آیا تھا....."

"آپ کاغذات تیار کریں۔ زمین کا اصل مالک ابھی زندہ ہے..... سبحان نامی شخص کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں" انہوں نے

ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے اسے اطمینان دلایا تھا۔ وہ سر ہلا گیا تھا.....

☆.....☆.....☆

ہماری زندگی میں ہمیشہ ویسا نہیں ہوتا جیسے ہم سوچتے ہیں۔۔۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمیں ناممکن لگتا ہے وہ اتنی آسانی سے ہو جاتا ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور اکثر اوقات جو کچھ بے حد آسان لگتا ہے وہ اچانک اس قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم مایوس سے ہو جاتے ہیں..... ان کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا جب وہ اتنی آسانی سے کوئل والا معاملہ حل کرنے کا سوچ رہی تھیں تب اچانک سبھی راستے بند ہو گئے تھے۔۔۔ انہوں نے سحان خان کو ایک مرتبہ پھر سمجھنے میں غلطی کر دی تھی۔۔۔

اس بات کا احساس انہیں اگلے روز ہوا جب ان کی وفادار ملازمہ کی جگہ ایک اور ملازمہ حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ ان کی وفادار ملازماؤں کو کہیں اور رکھا گیا ہے اور ان کے بیٹوں کو بھی جھوٹے الزامات میں جیل بھجوا دیا گیا ہے..... اس نے یہ بھی بتایا کہ ان کے باہر آنے جانے پہ بھی پابندی لگائی جا چکی ہے.....

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام گئیں۔ انہوں نے سحان کو کتنا ہلکا لیا تھا۔۔۔ اور صرف ان کی وجہ سے وہ غریب لوگ زیر عتاب آ گئے تھے۔ انہوں نے اس ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا اور اس کے جانے کے بعد اسفند لالا کو کال ملانے لگیں۔۔۔ کال نہیں جا رہی تھی۔۔۔ انہیں لگا شاید سنگتوں کا پر اہم تھا۔۔۔ انہوں نے دوسری پھرتی سیری بار چیک کیا کال نہیں جا رہی تھی۔۔۔ انہیں سخت حیرت ہوئی۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ نمبر بالکل رسپانس ہی نہیں کر رہا تھا.....

عین اس وقت ان کے موبائل پر بیل ہوئی تھی۔۔۔ سحان کا نام چمکنے لگا تھا سکرین پہ..... ان کی نظروں میں خود بخود نفرت سمٹ آئی..... خود کو کمپوز کرتے ہوئے انہوں نے کال پک کی.....

"تمہارے فون پہ صرف میری کال آ سکتی ہے۔۔۔ جب بھی دل کرے دل کھول کے بات کر سکتی ہو۔۔۔ اسفند یار کو ہر بات میں کیوں بچ میں لے آتی ہو۔۔۔ اور ہاں میں نے گارڈز کو کہہ دیا ہے تم اور میں کچھ دن کے لئے شہر آئے ہوئے ہیں۔ اگر تمہارا بھائی تم سے بات نہ ہونے کی فکر میں آیا بھی تو مطمئن کر دیں گے اسے۔۔۔ ڈونٹ وری۔۔۔" خمیٹ لہجے میں ہنستا وہ انہیں ہمیشہ کی طرح زہر لگا تھا.....

"اور ہاں آئندہ میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش مت کرنا۔۔۔ خود کو اپنی اسلامی بیٹھک تک ہی محدود رکھو تو اچھا ہے تمہارے لئے ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ تم میرے اکلوتے وارث کی ماں ہو" سخت لہجے میں انہیں وارن کرتا وہ فون بند کر گیا تھا۔۔۔ اور وہ سوچنے لگیں تھیں کہ اب انہیں کیا کرنا تھا۔۔۔ وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو ہر حال میں اللہ پاک پہ یقین رکھتے ہیں اور جو اللہ پاک پہ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ پاک کوئی نہ کوئی راستہ کھول ہی دیتے ہیں.....

بے شک.....

☆.....☆.....☆

نہ جانے کیا ہوا تھا۔۔۔ گولی چلنے کی آواز تھی یا پٹاخہ پھوڑا تھا کسی بچے نے۔۔۔ پرندے بری طرح پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے بلند

ہوئے تھے۔ وہ جو تکنی برآمدے کے اگلے ستون سے ٹیک لگا کے بیٹھے بیٹھے ہی نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی۔ ہڑ بڑا کے سیدی ہو بیٹھی تھی۔ دل اس قدر زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ اپنی ہی دھڑکنوں کو اپنے کانوں میں گونجتا سن سکتی تھی۔

"خان" لاشعوری طور پر اس کے منہ سے نکلا تھا.....

"یا اللہ خیر بہ او کے" اس نے ہاتھ سینے پہ رکھتے ہوئے دعا کی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے کھڑا ہونے میں بھی مشکل ہوئی تھی۔ سارا وجود جیسے بے دم سا ہوا تھا۔ شل سا.....

اسے دن میں سونے کی عادت نہیں تھی۔ لمبی سنسان ویران سی دوپہر میں اکثر جب سب گھر والے سو جاتے تھے تو وہ اکیلی بورہی ہوا کرتی تھی۔ ایسے میں وقت کا ٹٹا مشکل ہو جاتا تھا۔ اسے گرمی کی دوپہر سے ہمیشہ دشمنی رہی تھی۔ اور اب شادی کے بعد جب خان بھی اس کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ بچے بابا سبھی سو جاتے تھے تو یہ وقت کا ٹٹا ہر لگتا تھا اسے۔

آج بھی یہی حال تھا..... لان کی ہری بھری گھاس پہ دو رتکے تھلے دینے والی دھوپ کا ڈیرہ تھا۔ چرند پرند پیڑ پودے سبھی پیاس کی شدت سے بے حال سے لگتے تھے۔ اور وہ اس قدر گرمی میں بھی اسے سی کے ٹھنڈے ماحول سے باہر برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی..... پرندوں کے لئے سنبل کی ٹھنڈی چھاؤں تلے پانی اور دانہ رکھ کے وہ بس ایسے ہی وہاں بیٹھ گئی تھی اور خبر بھی نہ ہوئی کب نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ اور اب اس قدر عجیب انداز میں پرندوں کے شور نے اسے دہلا کے رکھ دیا تھا۔

اور یہ تو حقیقت ہے نا جن محافظوں کی وجہ سے ساری عوام اور حکمران چین کی نیند سوتے ہیں ان کے گھر والے انکی سلامتی کی دعا مانگتے جاگتے ہیں اور یونہی انکے دل اپنے پیاروں کے لئے لرزلرز جاتے ہیں۔

اس وقت اس کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے مرے مرے قدموں سے اندر آ کے موبائل اٹھایا تھا۔ ابھی بھی دوپہر کے دو بجے تھے۔ خان کو دوپہر میں سونے کی عادت تھی۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے انہیں کال کرنے کا ارادہ ترک کیا تھا.....

"یا اللہ شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گی اور چائے والے دادا کے مزار پہ چائے بھی تقسیم کروں گی کل جا کے۔ بس میرے خان کی حفاظت کرنا" مروت خاندان کی خالص گھریلو عورت کی طرح اس نے فوراً منت مان لی تھی۔ دل کو تسلی سی ہوئی تو وہ وضو کرنے چل دی۔ تاکہ رب کے حضور جھک کے گڑ گڑا کے اپنے خان کی سلامتی کی دعا مانگ سکے۔

☆.....☆.....☆

عرف کو لگا اس کی سانسیں رکنے لگیں تھیں۔ اس کی معصوم خوفزدہ نظریں آگے ٹھہرے آدمی کی ٹریگر پہ جمی انگلی کو تنکے جارہیں تھیں۔ جس پہ ذرا سادہ باؤ عارفین کی زندگی کا دیا ہمیشہ کے لیے گل کر سکتا تھا۔ اسے لگا اس کی روح نکلتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں تھیں۔ بالکل اچانک ہی وہ بے جان سی ہو کے گرنے لگی تھی۔ عارفین تیزی سے جھکا تھا اور اس کے بے جان سے وجود کو اپنے

مضبوط بازوؤں سے سہارا دے کے زمین پہ گرنے سے بچا لیا تھا۔ عین اسی وقت اس گن مین نے ٹریگر دبا دیا تھا۔ گولی عارفین کے کندھے کو چھو کے گزری تھی۔ جلن کا احساس شدید تھا۔ اس نے زخمی نظروں سے سبحان کی طرف دیکھا تھا۔ اور تبھی دوسرا فائر ہوا تھا۔ سینے میں چنگاری سی چھبی تھی۔ کسی بڑی گاڑی کے ٹائر بہت زور سے چر چرائے تھے۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں۔؟؟" بھاری بوٹوں کی آواز کے ساتھ ہی کوئی بھاری آواز میں چلایا تھا.....

"عرف کو اٹھا کے گاڑی میں لاؤ" سبحان نے چلاتے ہوئے حکم دیا۔

لیکن تیز سیٹی کی آواز قریب آتے ہی اس نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھائی تھی۔

"جلدی بیٹھو" اس نے عرف کو وہیں چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا اور دونوں گن مین بھاگ کر چیپ پہ سوار ہوئے تھے..... تیز دوڑتے قدموں کی آوازیں قریب آئیں تھیں۔ وہ آرمی کے جوان تھے۔ سامنے ہی بے ہوش لڑکی اور اس کے قریب خون میں لت پت خود کو سنبھالنے کی کوشش میں نوجوان۔ وہ بھاگ کے اس کی طرف آئے تھے۔ عارفین کی جلتی بجھتی آنکھوں میں سکون سا ٹھہراؤ اترتا تھا۔

"سالار۔۔ میجر..... مشن نمبر ٹو تھری ٹو، آپریشن مسٹ۔۔" عارفین نے تیزی سے کچھ کوڈز پڑھے تھے۔ اور اس کی آواز سننے ہی وہ مزید الارٹ ہوئے تھے۔

"گاڑی میں لے کے چلو۔ بی فاسٹ۔۔ کوئیک....." ان کے سینئر نے چلاتے ہوئے آرڈر دیا تھا۔ نوجوان عارفین کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھے تھے اور عارفین..... اس وقت تک ہوش و بے ہوشی کی درمیانی حالت میں زخموں سے جنگ ہارتا..... خود کو سنبھالنے کی لاکھ کوشش کے باوجود عرف کے دامن پہ گرا تھا..... عرف کا دامن رنگیں ہونے لگا تھا۔ لیکن وہ بے خبر تھی.....

☆.....☆.....☆

اسے جس وقت ہوش آیارات کی تاریکی ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ کچھ دیر تک وہ یونہی لیٹی کھڑکی کی جالی سے باہر نظر آتی تاریکی پہ نظریں جمائے بے جان سی پڑی رہی یوں جیسے ابھی بھی وہ پوری طرح بیدار نہیں ہو پائی تھی۔ پھر اچانک ہی کھڑکی کی جالی پہ سکرین سی جلنے بجھنے لگی تھی۔ ایک مبیت ناک سا چہرہ دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے گلابی ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ تبھی ایک مسکراتا کتبی چہرہ ایک دم سے نمودار ہوا تھا اور جیسے ہر منظر دماغ کے پردے پر تازہ ہو گیا تھا.....

"عارفین۔۔" بے ساختہ ہی اس نے پکارا تھا.....

کمرے کے اندر آتی نرس اسے ہوش میں دیکھ کے فوراً اس کی طرف آئی تھی۔

"عارفین کہاں ہے۔۔ وہ لایا مجھے یہاں۔۔؟" نرس کو حیرت سے نکلتے ہوئے اس نے سوال کیا تھا۔

"آپ پلیز آرام کریں۔۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے ورنہ آپ کی طبیعت پھر بگڑ سکتی ہے" وہ نرم لہجے میں کہتی اسے دوبارہ بستر پہ لٹانے کی کوشش کرنے لگی۔۔

"عارفین کہاں ہے۔۔؟"

"میم آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔۔ مجھے نہیں معلوم آپ کو کون یہاں لایا ہے۔۔ میری رات کی ڈیوٹی ہے اور میں ابھی یہاں آئی ہوں پلیز ٹیک ریسٹ" وہ ہاتھ میں پکڑی اس کی فائل سائیڈ پہ رکھتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی۔۔

"میں نے کہاناں میں ٹھیک ہوں۔۔ مجھے بس عارفین کا بتادو" وہ بھی منت پہ اتر آئی تھی۔۔

"اچھا اچھا آپ آرام کریں میں باہر کسی سے پتہ نہ کر کے آتی ہوں" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی اور اس بار عرف بھی خاموشی سے بیڈ پہ ٹک گئی تھی۔۔ نرس اسے یوں مطمئن ہوتا دیکھ کے باہر کی طرف بڑھ گئی۔۔

عرف کی منتظر نگاہیں دروازے پہ جمی تھیں۔۔ کافی دیر بعد یونہی اکتا کر اس نے ایک نظر گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پہ ڈالی تھی اور اگلے ہی لمحے خوف سے اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں تھیں.....

اس کی قمیض دامن سے ذرا اوپر ناف تک خون کے دھبوں سے بھری تھی۔۔ سولہ دسمبر کا دن جیسے پلٹ کے آیا تھا۔۔ اس کا وجود سرد پڑنے لگا تھا۔۔ منظر تو صاف تھے پھر وہ کیسے بھول سکتی تھی۔۔ وہ خونخوار سبحان خان وہ گن مین اور مسکراتا نہتا عارفین..... اسے لگا وہ ایک بار پھر زندگی ہارنے لگی تھی اور اس بار اپنی سوچ پہ وہ خود بھی حیران تھی۔۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔۔ تبھی وہی نرس اندر آئی تھی۔ اس کا چہرہ بجھا سا تھا۔ اس بار وہ خاموش رہی تھی کچھ نہیں پوچھ پائی تھی.....

☆.....☆.....☆

اندر کا خوف تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔۔ شام سے رات ہو چلی تھی نہ عرف کا پتہ تھا نہ عارفین کا۔۔ عارفین کا فون نمبر بھی بند تھا۔ ان کا دل بار بار وسوسوں سے بھر جاتا اور وہ اللہ سے مدد مانگ کر خود کو نئے سرے سے تسلی دیتے۔۔ رات سیاہ تھی اور نہ جانے کیوں نہیں لگ رہا تھا پھر کچھ سیاہی پھینکنے کو تھی۔ انہوں نے تسبیح تھام لی تھی۔ اور ان کے لبوں پہ بس ایک ہی ورد تھا۔۔

"یا اللہ پاک ہم پہ رحم فرما ہمیں اندھیروں سے پناہ دے"

☆.....☆.....☆

"آپ اور آپ کے ہسپتال میجر عارفین کو یہاں ان کے ساتھی لائے تھے شام کے وقت۔۔" وہ بتانے لگی تھی۔ عرف بس ایک ٹک اسے دیکھتی رہی تھی۔

"آپ پہ لائٹ نروس اٹیک ہوا تھا لیکن عارفین سر شدید زخمی حالت میں تھے۔"

اس کی پلکیں جھپکنے لگیں تھیں۔۔ وہ سب سننے کو تیار ہو رہی تھی۔ ایک بار پھر۔

"آئی سی یو میں ہیں ابھی۔۔۔ دو گولیاں لگیں تھیں انہیں ایک شانے پہ ایک سینے میں۔۔۔ آپریشن ہو گیا ہے ان کا۔۔۔ جیسے ہی ہوش میں آئیں گے انہیں روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔۔۔ آپ چاہیں تو انہیں دیکھ سکتی ہیں" اور بت بنی عرف جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔ جیسے اس کے جسم میں دوبارہ روح پھونک دی گئی ہو۔۔۔

"عارفین ٹھیک ہے؟" چھلکنے آنسوؤں کو ہاتھوں کی پشت سے سختی سے رگڑ کے صاف کرتے ہوئے اس نے خوشی سے پوچھا تھا۔
 "ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اگلے سولہ گھنٹے بہت اہم ہیں۔۔۔ اگر انہیں ان سولہ گھنٹے کے دوران ہوش نہ آیا تو کچھ بھی....."
 "مجھے وہاں لے چلو....." وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

"جی" وہ مؤدب انداز میں سر ہلا گئی۔۔۔ چند لمحوں بعد ہی وہ اس کے ہمراہ اس کمرے کے سامنے کھڑی تھی جس کی گلاس وال کے پار لیٹا بے حس و حرکت وجود اب اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔۔۔ اور اس کے لبوں پہ اسی کی سلامتی کی دعا چل رہی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

بارہ بجنے کے قریب تھے جب ان کے موبائل پہ پیل ہوئی تھی انہوں نے بے اختیار ہو کے کال اٹھائی تھی۔۔۔
 "داجی" عرف کی بھیگی آواز پہ ان کا کمزور دل ڈوب سا گیا تھا۔۔۔
 "بچے..... کیا ہوا۔۔۔ تم ٹھیک تو ہونہ؟؟ عارفین کہاں ہے؟ کہاں ہو تم دونوں؟" وہ خود کو سوال سے روک نہ سکے تھے۔
 "ہم سی ایم ایچ میں ہیں داجی۔۔۔"
 "سی ایم ایچ۔۔۔؟؟؟" ان کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے پچا
 "سبحان لالانے عارفین کو....." وہ شاید رو رہی تھی۔۔۔ تبھی اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔۔۔
 "کیا کیا سبحان نے؟؟؟"

ان کے اندر کا جلال فوراً جاگا تھا

"انہوں نے عارفین پہ گولیاں چلا دیں داجی۔ عارفین ٹھیک نہیں ہیں" وہ ان کو بتا کے رونے لگی تھی۔ داجی لب پکل گئے تھے.....
 "تم ہمت کرو عرف۔۔۔ وہیں رکو۔۔۔ میں ابھی تمہارے پاس آ رہا ہوں" انہوں نے مضبوط لہجے میں اسے تسلی دیتے ہوئے کال بند کی تھی اور اپنا والٹ اور چادر اٹھا کر باہر نکل گئے تھے۔۔۔

☆.....☆.....☆

اس رات پہلی دفعہ کوئل نے سبحان خان کو خوفزدہ دیکھا تھا۔۔۔ اور اس کا دل کس قدر خوشی سے بھر گیا تھا۔۔۔ یہ صرف وہ جانتی تھی۔۔۔ یہ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اور اس نے بھی اسے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ کیونکہ وہ صرف اللہ پاک کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی تھی.....

اس کے چہرے پہ کھلتی خوشی سبجان خان کی نظروں سے بھی نہیں چھپی رہی تھی۔

"خود کو سمجھتی کیا ہو تم۔" رات کو تنہائی پاتے ہی وہ اس پہ چڑھ دوڑا تھا۔

"خود کو تو نہیں آپ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ سارا وجود کسی خوف سے کپکپا رہا ہے" انہوں نے مسکراتے ہوئے چوٹ کی

تھی۔۔۔ سبجان نے طیش میں آگے بڑھ کے ان کے بال پکڑ لئے۔ وہ ہنس دیں۔

"کب تک بچو گے سبجان۔۔۔ اللہ کی پکڑ تو پکی ہے۔" وہ انہیں مزید چڑانے لگیں۔

"اللہ کی پکڑ تو بہت دور ہے میری پکڑ سے تمہیں ڈر نہیں لگتا۔" نخوت سے ان کے گال نوچتا وہ تلخی سے بولا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں نے جانوروں سے ڈرنا کب کا چھوڑ دیا۔" انہوں نے بھی اسی نفرت سے جواب دیا تھا۔ سبجان نے اس بار

انہیں زمین پہ پٹخا تھا اور لاتوں سے مارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہنسنے جارہیں تھیں۔

بے تحاشہ.....

بے حد.....



ناول ”تومن شدی“ ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

رنگارنگ کہانیوں سے سجا، خوبصورت اور دلکش

سوہنی ڈائجسٹ

SohniDigest.Com

اگر آپ بھی لکھ رہے ہیں اور اردو قارئین کی تلاش میں ہیں تو اپنی کہانیاں Inpage میں کمپوز (ٹائپ) کر کے پورے اعتماد کے ساتھ سوہنی ڈائجسٹ میں بھیجئے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ابھی sohnidigest@gmail.com پر ای میل کریں۔

چوتھی قسط

شام کا انتظار جیسے صدیوں پہ محیط ہو چلا تھا۔۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔۔ دل الگ سے بے چینی کے سفر پہ رواں تھا۔

اور پھر شام کے سائے گہرے ہوتے ہی اس نے سالار کا نمبر ڈائل کیا تھا۔۔

ایک بار۔۔

دوسری بار.....

تیسری بار.....

لیکن ہر بار وہ ناکام رہی.....

فون آف آ رہا تھا.....

مطلب وہ پھر کسی مشن پہ تھا۔۔ صرف اسی صورت میں ہی وہ فون بند کرتا تھا۔۔ اس نے موبائل سائیڈ پہ رکھ دیا اور نماز کی تیاری کرنے لگی۔۔ اسے ایک مرتبہ پھر اپنے مجازی خدا کی لمبی عمر اور کامیابی کی دعا جو کرنا تھی.....

☆.....☆.....☆

اس نے سنا تھا گرمیوں میں رات بہت چھوٹی ہوتی ہے۔۔ لیکن آج کی رات تو جاڑے کی رات بن گئی تھی۔۔ ایک تو موت جیسی سرد اوپر سے سرک ہی نہیں رہی تھی۔۔ تھم سی گئی تھی۔۔

واجب اب اس کے پاس تھے اور انہوں نے خود کو عارفین کا چچا بتایا تھا۔۔ ساتھ ہی دوسرے روم میں وہ بیڈ پہ آرام کرنے لیٹے تو وہ ایک بار پھر باہر نکل آئی۔۔ شیشے کے اس پار وہ ویسا ہی ساکت لیٹا تھا۔۔

کتنا عجیب لگ رہا تھا ناں وہ۔۔

عرف خود سے سوچے گئی۔۔

جب سے وہ ان کے گھر آیا تھا۔ اس نے اس چھلاوے کو کبھی آرام سے ایک جگہ بیٹھے نہ دیکھا تھا۔ اس کے کئی روپ دیکھے تھے اتنے سے دنوں میں اس نے۔ کبھی وہ بے حد سلجھا تو کبھی بے حد لالہالی سا انسان لگتا تھا اسے۔ وہ اسے جتنا سمجھنے کی کوشش کرتی اتنا الجھ جاتی۔ لیکن ایک بات تھی جس سے وہ نظریں چراتی تھی لیکن ہمیشہ ایک سچ بن کے اس کے سامنے آ جاتی تھی۔۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کی

آنکھوں کے رنگوں میں محبت سانس لیتی تھی۔۔ اسے اپنا ناکس صاف چمکتا دکھائی دیتا تھا۔۔

اور آج وہ گہری چمکتی آنکھیں کس قدر سکون سے بند تھیں۔۔ اسکی پلکیں بھگنے لگیں۔ وہ مڑ کے کمرے میں آگئی۔ داجی نیند کی وادیوں میں اتر چکے تھے۔ اسے سکون سا محسوس ہوا۔ اس وقت وہ جس قدر کمزور محسوس کر رہی تھی خود کو اسے داجی سے چھپانا نہیں پڑا تھا۔۔ وہ خود ہی بے خبر ہو چکے تھے۔ بے جان سے قدم اٹھاتی وہ دروازے کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔۔ نظریں باہر آئی سی یو کے دروازے پہ جمی تھیں۔

کچھ دیر بعد ہی اس نے ایک نرس کو اندر جاتے دیکھا تو فوراً اٹھ کے اسکے قریب آگئی۔۔

"سسر" اس کی تیز آواز پہ وہ چونک کے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔۔

"پلیز کیا میں ایک مرتبہ اندر جا کے دیکھ سکتی ہوں"

اس کے معصوم سے انداز پہ وہ مسکرا دی تھی۔۔

"جی آپ ضرور دیکھ سکتی ہیں۔۔ بس یہاں زیادہ شور کرنے کی اجازت نہیں ورنہ کوئی ایشیونہیں" اس کی بات پہ وہ سکون کا سانس لیتی اس کے پیچھے اندر چلی آئی۔۔ نرس ہاتھ میں پکڑا سامان میز پہ رکھ کے عارفین کا بی پی وغیرہ چیک کرنے لگی اور وہ چپ چاپ اس کے قدموں میں آکر کھڑی ہو گئی۔۔ نظریں اس کے چہرے پہ جمی تھیں جہاں ابھی بھی ہلکی سی مسکراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔۔ نرس رپورٹ لکھ کے باہر جا چکی تھی۔۔ وہ کتنی ہی دیر یونہی اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں سے آنسو بہتے اس کے پاؤں بھگوتے رہے۔۔ فجر کی اذان پہ وہ چونکی تھی۔ اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے عارفین کو دیکھا وہ ابھی بھی پر سکون سا ساکت پڑا تھا۔۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے عارفین کے پیر چھوئے تھے اور دھیرے سے پکارا تھا.....

"عارفین۔۔"

اس کے ہاتھ کی لرزش تھی یا واقعی عارفین نے پاؤں پیچھے کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سمجھ نہ پائی تھی۔ اس نے بے اختیار اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔۔ عارفین آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا.....

☆.....☆.....☆

وہی ہوا تھا جس کا خدشہ سجان کو تھا۔۔ اسفند لالا کو مل کا فون بند پا کے فوراً اس کی خیریت دریافت کرنے حویلی آئے تھے۔۔ اور چونکہ سجان خود بھی لوٹ آیا تھا تو اب کوئی بھی بہانہ بنانا فضول تھا..... ملازم انہیں سیدھا اندر لے آئے تھے۔۔ سجان خان کسی طرح بھی کوئل کو ان سے ملنے سے نہیں روک پائے تھے۔۔

"کیسی ہو کوئل۔۔؟ فون کیوں بند تھا تمہارا؟" بہن کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہی انہوں نے فکر مند لہجے میں پوچھا تھا۔۔ ان کے سوال پہ کوئل نے بے ساختہ سجان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ تنبیہی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔ وہ مسکرا دی تھی۔۔ زخمی سی مسکراہٹ.....

"للا پتہ نہیں کیا مسئلہ ہوا کام ہی نہیں کر رہا" انہوں نے بات بنائی۔۔

"اب اتنا مہنگا بھی نہیں موبائل کہ سبحان خان جیسا بڑا سردار تمہیں دوسرا فون نہیں لے کے دے سکتا" شک بھری نظروں کے حصار میں سبحان کو لاتے ہوئے طنز کیا گیا.....

"یہ کہہ رہے تھے شہر جاتے ہی بھجوا دیں گے نیا۔۔ لیکن۔۔" وہ کہتے ہوئے سبحان کی طرف دیکھنے لگیں۔۔ سبحان کی سانس اٹکنے لگی تھی.....

"لیکن کیا.....؟" لا لا اس کی طرف ہی متوجہ تھے۔۔

"لیکن میں خود کچھ دن آپ کے ہاں گزارنا چاہتی تھی۔۔ بہت دن ہوئے حویلی کا چکر لگائے۔۔" انہوں نے بات مکمل کی۔۔ سبحان کے چہرے پہ غصہ غالب آنے لگا تھا۔۔

"تمہارا اپنا گھر ہے۔۔ جب جی چاہے آ جاؤ" اسفند خوش ہو گئے۔۔

"بلکہ ایسا کرو جا کے سامان پیک کر دیرے ساتھ ہی چلو۔۔" انہوں نے فیصلہ کیا

"آج تو مشکل ہے" سبحان بالکل اچانک بولا تھا۔۔ کول بھی چونک اٹھی تھی

"کیوں..... مشکل کیوں؟" اسفند لا لا کو حیرت ہوئی

"کیونکہ آج ہی رات تک ہمیں شہر کے لئے نکلنا ہے"

"لیکن ابھی تک تو ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا" کول نے فوراً انکار کیا۔۔ جو بھی تھا اسے اب سبحان سے خوف نہیں آتا تھا۔۔ وہ نڈر تھیں۔۔ اسفند البتہ نا سنجھی سے دونوں میاں بیوی کو دیکھ رہے تھے۔۔

"کل ہی تو بتایا تھا تمہیں کہ میرا چیک اپ ہے۔۔ دل میں درد سارہنے لگا ہے اور میں اسی لئے شہر سے آیا ہوں تاکہ تم بھی اس موقع پہ میرے ساتھ ہو" سبحان بات گھڑ چکے تھے

"لیکن..... میں۔۔" وہ بولتی کہ لا لانے ہاتھ اٹھا کے ان کو خاموش کر دیا۔۔

"ایسے وقت میں تمہارا سبحان کے ساتھ ہی ہونا زیادہ بہتر ہے۔۔ ویسے بھی ایسے وقت میں شوہر کو سب سے زیادہ بیوی کی ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔۔ اور سبحان۔۔ تم واپسی پہ فوراً مجھے رپورٹ دکھانا۔۔ کوئی سستی مت کرنا۔۔ میں خود بھی کوشش کروں گا تم سے

رابطے میں رہوں۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔۔ سبحان لبوں پہ شاطر مسکراہٹ سجائے انہیں مطمئن کر رہے تھے اور کول تیز نظروں سے اسے گھورے جا رہی تھیں۔۔ وہ ایک بار پھر انہیں پھنسا چکا تھا.....

☆.....☆.....☆

اسے ہوش آ گیا تھا لیکن وہ مکمل طور پہ بیدار نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہاں موجود ہر نفس نے محسوس کیا تھا کہ عارفین وہاں عرف کی موجودگی کو مکمل طور پہ نہ صرف جان چکا تھا بلکہ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی اسے مخاطب کرتا تھا۔

"بہت لکی ہو آپ....." نرس نے کمرے سے جاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"آپ کے ہسپتال آپ سے بہت پیار کرتے ہیں..... بار بار آپ کو پکارتے ہیں" اور وہ حیرت سے بت بنی اس کے بیڈ کے پاس آئی تھی۔ اس وقت وہ گہری نیند میں تھا۔

کل رات جس وقت اس نے عارفین کو حرکت کرتے محسوس کیا تھا وہ فوراً ڈاکٹر کے پاس بھاگی تھی۔ عارفین نے صرف چند لمحوں کے لئے آنکھیں کھولیں تھیں اور سامنے کھڑی رف حلیئے میں عرف کو دیکھ کر اس کی جاگی سوئی آنکھوں میں حیرت سی چمکی تھی۔ اسے سنکتے سنکتے ہی وہ دوبارہ پلکیں موند گیا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق اسے ہوش آچکا تھا لیکن ہوش میں آنے کے بعد دی جانے والی ادویات کے زیر اثر وہ ابھی بھی نیند میں تھا۔

"تو کیا واقعی وہ نیند میں میرا نام لیتا رہا۔؟" اس نے عارفین کے چہرے کو دیکھتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا۔ اس کے چہرے پہ زردی سی کھل رہی تھی۔ زخم کا درد اور کمزوری اس کے چہرے کو تازہ دینے کی بجائے کچھ اور خوبصورتی بخش رہی تھی۔ وہ شرٹ کے بغیر تھا..... کندھے اور سینے کے گرد دو بڑی پٹیاں ہی اس وقت اس کا لباس تھیں۔ وہ اسے اس وقت دنیا کا سب سے خوبصورت مرد لگا..... ایسا مرد جس پہ بھروسہ کیا جاسکتا تھا.....

☆.....☆.....☆

وہ عین وقت پہ چال چل گئے تھے اور کامیاب بھی رہے تھے۔ اسفند لالا کچھ دیر بیٹھے رہے تھے پھر واپس چلے گئے تھے۔ کوئل ہر طرح سے ان کے ساتھ جانے کا بہانہ کرتی رہیں لیکن بے سود..... انہوں نے کوئل کو سجان کا خیال رکھنے کی ہدایت کی اور رخصت ہوئے.....

"ساری عمر میرے ساتھ گزارنے کے باوجود تمہیں بازی کھیلنا نہیں آیا۔" کمرے میں واپس آتے ہی سجان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا اور گرنے کے سے انداز سے بیڈ پہ لیٹ گئے۔ کوئل نے ایک نخوت بھری نگاہ ان کے مضبوط جسم پہ ڈالی اور چہرہ موڑ لیا۔

"اب تیاری کرلو۔ کیونکہ میں نے فیصلہ کیا ہے تم میرے ساتھ ہی شہر چلو گی" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہاں رہ کے تم کوئی بھی گیم کھیل سکتی ہو میرے ساتھ اور میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔" ان کی بات پہ کوئل لب کچل کے رہ گئیں۔

"کچھ تو کہو۔" وہ اٹھ کر ان کے قریب آٹھڑے۔

"قسم سے شیرنی اس طرح دبوسی خاموش سی تو بالکل بھی نہیں جیتی....." وہ خباثت سے ہنسا تھا۔ کوئل انکی طرف دیکھ کر بے کمرے سے باہر نکل گئیں تھیں۔

☆.....☆.....☆

تین دن سے ان کا نمبر آف آر ہاتھ اور سندرے کی جان سولی پہاکی ہوئی تھی۔ تیسری شام ڈھلنے کو تھی جب اجنبی نمبر سے اس کے نمبر پہ کال آئی۔ عام دنوں میں وہ انجان نمبرز سے آنے والی کالز نظر انداز کر دیتی تھی۔ لیکن اس وقت اس نے فوراً کال پک کی تھی۔ دوسری طرف اس کی توقع کے عین مطابق سالار کی مسکراتی آواز تھی۔

"کیسی ہے میری زندگی۔؟"

"آپ اچھے تو ہم سب اچھے خان....." اس نے ہمیشہ کی طرح کوئی بھی گلہ شکایت کے بغیر محبت سے کہا تھا۔ دوسری طرف مچل جانے والی مسکراہٹ وہ تخیل سے دیکھ سکتی تھی۔

"سوری یار۔۔ اتنے دن بات نہیں کر سکا۔۔ مشن پہ تھا۔۔ میرا سیل فون بھی ٹوٹ گیا تبھی آج ایک دوست سے لے کر تمہیں کال کی" وہ شرمندہ لہجے میں وضاحت دینے لگا

"مجھے کبھی آپ سے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی خان..... آپ میری زندگی سے جڑے ہیں یہ حوالہ کافی ہے میرے لئے۔۔ میں جانتی ہوں آپ مصروف ہوں گے تبھی کال نہیں کر پائے۔ پریشان تو ہوئی لیکن آپ جانتے ہیں ناں آپ کی سندرے کی طاقت کیا ہے؟؟۔۔۔۔" اس نے ٹیس کے پار نظر آتی دھندلی پہاڑیوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا.....

"ہاں۔۔ میں جانتا ہوں" اس بار سالار بھی مطمئن ہو کر مسکرا دیا تھا۔۔

"میری سندرے کی طاقت 'دعا' ہے....." اس نے بات مکمل کی۔۔

"بس پھر آپ میری فکر نہ کیا کریں بس اپنا خیال کیا کریں" اس نے مضبوط لہجے میں کہا

"یہی وجہ ہے تم مجھے اس قدر عزیز ہو" سالار کے لہجے میں محبت تھی۔۔ مان تھا.....

"اور میرے لئے آپ کا یہی مان اور محبت کافی ہیں۔۔ آئندہ کبھی مجھے وضاحت مت دیجئے گا۔۔ کبھی مجھ سے گلہ بھی نہیں ملے گا" دوسری طرف شور سا ہوا تھا۔۔

"اچھا ہم بعد میں بات کرتے ہیں"

"جی۔ جی۔۔ اللہ حافظ" اس نے بھی فوراً خدا حافظ کہا تھا۔۔ دوسری پہاڑی بادلوں سے ڈھکنے لگی تھی.....

☆.....☆.....☆

وہ گھر آ چکے تھے۔۔ عارفین نے فیملی کو اطلاع دینا مناسب نہیں سمجھا تھا سو وہ بھی خاموش ہو گئے تھے۔۔ ویسے بھی اب عارفین تیزی سے ری کور کر رہا تھا۔۔ عرف نے انہی دنوں دیکھا تھا اس کی کمر پہ پہلے بھی کئی گولیوں کے نشان تھے۔ جب کہ سامنے سے سینہ اور پیٹ ایسے کسی بھی نشان سے پاک تھے۔ پٹی کرتے وقت اکثر جب وہ اس کی پٹی کے لئے آنے والے ڈاکٹر کو گرم پانی وغیرہ دیتی تو یہ نشان

دیکھ کی آنکھوں میں حیرت ضرور چمکتی۔۔ ایک دن ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ سامان سمیٹ رہی تھی جب خود کو چادر سے ڈھانپتے ہوئے عارفین نے اسے پکارا۔

"عرف! تم میرا زخم دیکھ کے حیران کیوں ہو جاتی ہو۔۔؟" اس کے سوال پہ وہ ذرا سا چونکی تھی۔۔

تو کیا وہ خیال بھی پڑھ لیتا تھا..... پھر برتن اٹھا کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب آگئی۔۔

"زخم نہیں۔۔ میں تمھاری پیٹھ پہ لگے پرانے نشان دیکھ کے حیران ہوتی ہوں۔۔ صرف پیٹھ پہ ہی کیوں۔۔؟"

"کیونکہ میں نے آج تک سینے پہ سامنے سے گولی نہیں کھائی" وہ پر اعتماد لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا۔۔

"اور اگر اس شام تم بے ہوش ہو کے نہ گرتی تو تم دیکھتی، ان سب کو وہاں سے اٹھانے بھی کوئی نہ آتا" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے

لگا۔۔ عرف نظریں چرا گئی۔۔

"اس دن مجھے لگا وہ واقعی تمھیں مار دیں گے" اس کی آواز میں خوف تھا۔۔

"تو..... انہوں نے مجھے کب چھوڑا۔۔؟؟" عرف نے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔۔

"انہوں نے تو مجھے مار ہی دیا تھا" وہ دو قدم اس کے نزدیک آگیا۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔۔

"لیکن زندگی موت تو اللہ کے اختیار میں ہے ناں..... تو دیکھو میں تمھارے سامنے کھڑا ہوں"

عرف کی پلکیں بھگینے لگیں۔۔

"اللہ پہ یہی یقین ہی تو ہم پاک آرمی والوں کی سب سے بڑی طاقت ہے۔۔ اللہ کے سوانہ تو ہمیں کسی سے خوف آتا ہے نہ کسی

کے سامنے جھکنا....."

وہ سر ہلا گئی۔۔

"لیکن خیر اس حادثے سے یہ تو پتہ چل گیا مجھے کہ تم کچھ بھی کر سکتی ہو لیکن کم از کم میری قبر پہ دیا نہیں جلا سکتی ہو۔۔" بات کے آخر

میں اس نے شرارتی لب و لہجے میں کہا تھا اور عرف۔۔ اس کا دل کیا ہاتھ میں پکڑی ٹرے اس کے سر پہ دے مارے.....

"کوئی خوش فہمی مت پالنا۔۔ میں تو ہوں ہی حساس۔ گلی کا کتا بھی بیمار پڑ جائے تو ایسے ہی اس کی خدمت میں لگی رہتی ہوں۔"

"اچھا تبھی میں کہوں ساری گلی کے بیمار کتے یہیں تمھارے گھر کے ہی باہر کیوں بیٹھے رہتے ہیں" وہ نچلا لب دانٹوں تلے دبا تے

ہوئے مسکراہٹ روک کے بولا تھا۔

"مرو تم....." پیر پختی وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ عارفین کے مقہبے نے اس کی پیچھا البتہ ضرور کیا تھا.....

وہ سبحان کے ساتھ پشاور تو آگئیں تھی لیکن ہر وقت کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی کہ کہیں سے بھی اسفند کو کال کر کے ساری سچائی بتا سکیں۔۔۔ لیکن کوئی موقع تھا کہ ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔۔۔ سبحان نے شہر میں اپنے گھر کی سیکورٹی بہت سخت کر رکھی تھی۔۔۔ ہر ملازم کو مالان سے بات کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اور کسی کا بھی سیل فون ان کے پاس جانے کی صورت میں سخت ترین سزا کی دھمکی دی گئی تھی۔۔۔ سبحان کی نیچر سے ویسے بھی سبھی واقف تھے۔۔۔ ایسے میں کوئل کی نرم شخصیت بھی اس کے لیے کوئی ہمدردی نہیں جیت پائی تھی۔۔۔ سبحان نکاح کی تیاریوں میں لگا تھا۔۔۔ اس کا پلان تھا کہ کسی رات اچانک داجی کے گھر پہ اسلحہ بردار لے کے جائے گا اور زبردستی عرف اور داجی کو اس کے اور عرف کے نکاح کے لئے راضی کر ہی لے گا۔۔۔

کوئل جانتی تھی سبحان جو بھی ٹھان لیتا تھا گزر رہا تھا۔۔۔ اتنے سال تک وہ خود کو عرف سے جڑے جنون سے الگ نہیں کر پایا تھا۔ سواب اسے پانے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جاسکتا تھا۔۔۔ اور اسی حد سے پہلے ان کو کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔۔۔ لیکن کیا..... گاؤں سے اتنی دور.....

نئے لوگوں کے درمیان.....

بالکل کسی بھی رابطے کے بغیر.....

وہ کس سے مدد مانگ سکتی تھی.....

کسے پکار سکتی تھی.....

کسے وہ سب بتا سکتی تھی جو سبحان خان سوچے بیٹھا تھا.....

اور رات کے اس پہر بے چینی سے کھڑکی کا پردہ سرکاتے باہر پورے چاند پہ نظر پڑتے ہی انہیں یاد آیا تھا.....

کوئی ہے جو ہماری شرگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے.....

جو ہمارے کہنے سے پہلے ہی ہماری سن لیتا ہے.....

جو سب جانتا ہے.....

جو ہر چیز پہ قادر ہے.....

اور ان کی روح تک میں سکون اترتا چلا گیا تھا.....

☆.....☆.....☆

وہ عارفین کو ناشتہ دے کے اپنے کمرے میں آئی تو داجی اس کے منتظر تھے۔ انہیں بے تابی سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مسکرا دی تھی۔

"کیا ہوا داجی۔۔؟" اس نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے پوچھا تھا۔

"کیوں اتنی شدت سے میرا انتظار کیا جا رہا تھا؟" اس کی خوبصورت چمکیلی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔" داجی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ نظریں اب دروازے کی بجائے اس کے چہرے پہ جمی

تھیں۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی پریشانی وہ اب واضح دیکھ سکتی تھی۔

"آپ پھر پریشان ہو رہے ہو داجی۔ جبکہ آپ خود بھی جانتے ہو یہ بے سود ہے" ان کے کمزور ہاتھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"نہیں عرف! کچھ بھی بے سود نہیں ہوتا۔ اگر میں تم پہ اسی وقت نگاہ رکھتا، سبحان کے واپس آتے ہی عارفین کو سب سچائی بتا دیتا،

تمہیں یوں اس کے آنے کے باوجود کھلے عام باہر جانے کی اجازت نہ دیتا تو آج یہ بھی نہ ہوتا جو ہو چکا ہے۔"

"یہ تو قسمت میں لکھا تھا ناں داجی"

"نہیں میرے بچے۔۔ اپنی ہر غلطی کو قسمت کے کھاتے میں ڈال دینا عقلمندی نہیں ہے۔ اللہ نے اسی لئے تو ہمیں عقل سے نوازا

ہے۔ کچھ حدود دیں ہیں کچھ قیود کا تعین کیا ہے"

وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

"لیکن یہ قیود اور حدود صرف عورت کے لئے کیوں؟؟؟"

"یہ غلط ہے۔ صرف عورت ہی نہیں مرد بھی پوری طرح ان حدود کا پابند ہے۔ لیکن افسوس اللہ سے دوری نے ہر معاملہ الٹ دیا

ہے۔ پھر جو بھی ہے عورت کمزور ہے۔۔ مرد اگر وحشی ہے۔ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے تو مرد ہی محافظ بھی تو ہے۔ یہ تو حق اور باطل کی جنگ

ہے۔ جو روز اول سے جاری ہے۔ سبحان تمہاری بھائی ہو کے بھی تمہارا لئیرا بن گیا اور عارفین ایک اجنبی مرد محافظ۔۔ یہاں ان میں سے

ایک اپنی حدود کو مانتا تھا ایک نہیں۔ تو قصور کس کا..... اسی کا جو احکام الہی کا منکر ہوا اور بخدا نقصان بھی صرف اسی کا ہے مگر وہ سمجھے۔۔"

"لیکن....."

"بس۔۔ میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا۔ صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ اب مجھے بتائے بغیر اور عارفین کے بنا تم گھر سے باہر قدم

نہیں رکھو گی"

"لیکن داجی میرے کچھ ضروری کام ہیں جنہیں مکمل کرنا ہے مجھے۔۔ ہر حال میں"

وہ تڑپتی۔۔

"مجھے سب پہ چل چکا ہے..... میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن..... اب تم اکیلے کچھ نہیں کرو گی"

"بالکل۔۔" عارفین کی مسکراتی آواز پہ دونوں نے چونک کے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ عرف کی آنکھوں میں اس کی حرکت پہ ناپسندیدگی سی جاگتی تھی۔

"میں تو بس برتن رکھنے کچن گیا تھا۔ واپسی پہ ایک دو باتیں سن لیں بس" وہ کندھے اچکا تا وضاحت دینے لگا۔
 "کوئی بات نہیں زوئے۔۔ ہم سب بھی تو تمہارے اپنے ہیں۔ پھر تم سے کون سی بات چھپی ہے" داجی نے محبت سے کہا عرف نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔۔ آج سے یہ میری ذمہ داری۔۔" عارفین نے تسلی دی۔
 "مننا زویا" داجی مسکرا اٹھے۔

"داجی۔۔۔"

عرف نے حیرت سے ان کو دیکھا۔

"خبردار۔ اگر اب کوئی بے وقوفی کی ہو تو....." داجی نے سختی سے اسے ڈپٹ دیا تھا۔ وہ عارفین کی مسکراتی شکل دیکھ کے منہ بنا گئی۔

☆.....☆.....☆

"خان۔۔ ہم تین دن سے پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ لڑکی گھر سے بس ایک بار ہی باہر آئی ہے اور وہ بھی اکیلے نہیں۔ وہی جوان اس کے ساتھ تھا۔" اس کے خاص آدمی نے اسے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔ لاونچ میں قدم رکھتیں کوئل تیزی سے پیچھے ہوئیں تھیں۔
 "ہمممم....." اس نے سبحان کا پرسوج ہنکارا سنا تھا۔

"اس کا مطلب اب گھی نکالنے کے لئے انگلی ٹیڑھی کرنی ہی پڑے گی" اس کی آواز میں غصہ تھا۔

"جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا خان" وہ مؤدب سا جھکا تھا۔

"تم ایسے کرو۔ شہر جا کے نکاح کا انتظام کرو۔ بندے برابر کرو۔ میں شام تک پہنچتا ہوں۔۔ پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ سبحان کو زبردستی کرنا بھی آتی ہے پھر۔۔ ان کی یہی مرضی ہے تو پھر یونہی سہی" وہ حکم دیتے ہوئے بولا تھا۔

"جو حکم خان....."

"اور ہاں ایک بات کا خیال رہے۔ وہاں سے اپنے بندے ایک سیکنڈ کے لئے بھی ادھر ادھر نہیں ہونے چاہئیں۔ ایک ایک پل ان سب پہ نظر رکھو۔ میں ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا۔ سمجھ گئے"

"جی خان"

"لیکن خان اگر اس آدمی نے کوئی مسئلہ کیا تو۔۔؟؟"

"تم بس اپنے آدمی تیار رکھو۔۔ اسے بھی آج دیکھ لیں گے"
گھنی مونچھوں کوتاؤ دیتا وہ خباثت سے ہنسا تھا۔ ملازم ادب سے سر ہلاتا باہر نکل گیا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

کول کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔ وقت کم تھا اور انہیں اب ضرور کچھ کرنا تھا۔ کسی ایسے انسان کو تلاش کرنا تھا اس گھر میں جو ان کا ساتھ دینے پر راضی ہو جائے۔۔ لیکن یہ تبھی ممکن تھا جب سبحان گھر سے جاتا۔ ادھر سبہ پہر ہونے کو تھی لیکن وہ یوں آرام سے بیٹھا تھا جیسے کہیں بھی جانے کا ارادہ نہ تھا۔

کول نے اس دوران دو ملازماؤں سے ہمدردی سمیٹ لی تھی۔ وہ دونوں کم عمر تھیں اور نئی شادی شدہ بھی۔ انہیں ان کا درد اپنا درد محسوس ہوا اور وہ مدد کے لئے تیار بھی ہو گئیں۔ دونوں اپنے عمر رسیدہ شوہر کے برتاؤ سے تنگ تھیں سو انہیں شیشے میں اتارنا ان کے لئے نہایت آسان رہا تھا۔ وہ اس جگہ پہ تھیں بھی نئی تبھی ابھی سبحان کے مزاج سے بھی ناواقف تھیں۔ انہیں کول کی مدد کی حامی بھرتے ہوئے اس کا ڈر نہیں ہوا۔

دو پہر کے قریب جب سبحان نہانے گیا تو اس نے نہایت ہوشیاری سے اس کے موبائل سے پی ٹی سی ایل ڈائریکٹری سے سٹی پولیس سٹیشن کا نمبر بھی نکال لیا تھا۔ اب وہ آرام سے سب کام کر سکتی تھی۔۔

سبہ پہر کے قریب کول نے باہر بھاری جیپوں کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ وہ بھاگ کے ٹیرس پہ آئیں۔۔ ان کی توقع کے مطابق وہ سبحان ہی تھا۔ جو اپنے آدمیوں کے ساتھ شہر کی طرف نکل رہا تھا۔ اس رہائشی حصے سے دور تک جاتی کچی سڑک ان کی ٹیرس سے مین روڈ تک بالکل صاف دکھائی دیتی تھی۔ تبھی وہ اس وقت تک وہاں کھڑی رہیں جب تک سبحان کی گاڑی مین روڈ پہ جا کے شہر کی طرف مڑ گئی۔ انہوں نے فوراً ان دو ملازماؤں کو ڈھونڈا اور ان کو لے کر کمرے میں آ گئیں۔۔

"تم میں سے کسی کے پاس موبائل ہے۔۔ میری بیٹی تکلیف میں ہے۔ اور مجھے اس جگہ کا پتہ بھی چل گیا ہے اب ہمیں جلد از جلد پولیس کو اس جگہ کا پتہ اور اس واقعے کی اطلاع دینا ہوگی۔" اس نے منت بھرے لہجے میں ان سے کہا تھا۔

"میرے پاس تو نہیں ہے" اس میں سے ایک لڑکی کوتا سف ہوا

"میرے پاس ہے لیکن بیلنس تھوڑا ہوگا۔ اماں سے بات کرتی ہوں بس اماں ہی نے دیا تھا پیسے بھی وہ ڈال دیتی ہیں۔ ورنہ ابا کا تو بس چلتا شادی کے بعد ہمیں مرا ہوا ہی سمجھ لے" بات کرتے کرتے اس کی آواز نرم ہوئی تھی

"تم دل ہلکا نہ کرو۔۔ بس ایک بار یہ سب معاملہ حل ہو جانے دو تم سب کی زندگیاں بدل جائیں گی۔ تم بس جاؤ اپنا موبائل لے کر آؤ۔ اتنی بات ہو جائے کہ ایک دفعہ تعارف ہو جائے پولیس سے۔ پھر وہ خود ہی رابطہ کر لیں گے مجھ سے" انہوں نے اسے ہدایت کرتے

ہوئے کہا تھا۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی تھی اور چند لمحوں بعد ہی اس کا سستا سا پرانا فون ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ احتیاط سے ہاتھ میں پکڑی پرچی پہ لکھا فون نمبر ڈائل کر رہی تھیں.....

☆.....☆.....☆

"کہاں جا رہی ہولالہ.....؟" شام ہونے میں کچھ سے باقی تھا جب وہ چادر لے کر اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔ عارفین سامنے ہی سیڑھیوں پہ تقریباً لٹا موبائل پہ بزی تھا۔ اسے دیکھ کے فوراً سیدھا ہوا۔ اور ساتھ سوال بھی کیا۔ عرف نے ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالی۔

"تم سے مطلب۔۔؟"

"مطلب ہے تو پوچھ رہا ہوں" وہ بھی بھلا کب سیدھا بولتا تھا۔ عرف چڑ گئی.....

"میں تمہیں وارن کر رہی ہوں عارفین۔ یوں ہر وقت میرے پیچھے مت رہا کرو ورنہ میں سچ میں تمہاری کمپلیٹ کروادوں گی"

"اچھا۔۔ سچ میں" اس کی خوبصورت آنکھیں مسکرائیں۔ اور وہ اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتا اس کے سامنے آٹھرا۔

"تو سب سے پہلا سوال تو وہ یہی کریں گے کہ پھر آپ نے اس غنڈے کو گھر میں کیوں رکھا ہو ہے" وہ واقعی نہ ٹلنے والی بلاتا تھا۔

عرف نے کڑھ کے سوچا تھا۔

"میں کہوں گی صرف اپنے بوڑھے داجی کی وجہ سے۔۔ لیکن اب یہ حدیں کر اس کرنے لگا ہے" آرام سے اس پہ دفع لگائی گئی۔

"چلو ڈن۔۔ چلتے ہیں" وہ ایسے آگے چلا جیسے واقعی اس کا منتظر ہو۔

"تم بیان دینا۔۔ میں ایک لفظ بولوں تو بے شک عارفہ نام رکھ دینا۔۔" وہ چوڑی پشت کئے یوں اس کے سامنے آ گیا تھا کہ اسے راستہ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی شرارت سمجھ کے اسے مزید تپ چڑھی تھی۔ وہ پیر پٹختی اندر واپس پلٹ گئی تھی۔ داجی مسکراتے ہوئے باہر آئے تھے۔

"اس کے آدمی دیکھے تھے صبح میں نے داجی۔ ہمیں اب اور نظر رکھنا ہوگی عرف پہ۔ وہ گھر سے نکلنے نہ پائے اکیلے۔" وہ پریشان تھا۔ داجی نے سوچتے ہوئے سر ہلایا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

دوسری بیل پہ ہی دوسری طرف کال پک کر لی گئی تھی۔ سٹی تھانے کا ایس ایچ او ہی بات کر رہا تھا۔ کول نے اسکی بجائے انسپکٹر صاحب سے بات کرنے کا کہا تھا۔ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر اسی آدمی نے اطلاع دی تھی کہ انسپکٹر صاحب تو راولپنڈی پہ نکلے ہیں۔

"بی بی! کوئی ایسی ویسی بات ہے تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ ہم سب آپ سب کی خدمت کے لئے ہی تو بیٹھے ہیں" اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ کول کے دل نے اسے کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا۔ لیکن فی الحال وہ دل کی نہیں سن سکتی تھیں۔ انہیں دماغ کی سنی تھی۔ اور

دماغ یہی کہتا تھا کہ یہاں سبحان کا کوئی اثر سوخ کام نہیں آنا تھا۔ وہ بے خوف ہو کے عرف کی مدد کر سکتی تھیں۔

انہوں نے فوراً سبحان کی شکایت کرتے ہوئے ساری بات بتادی تھی اور عرف کو اپنی بھتیجی بتاتے ہوئے اسکا ایڈریس بھی لکھوا دیا تھا۔ دوسری طرف سے اسے مکمل اطمینان دلایا گیا تھا۔ اس نے مطمئن ہو کے کال بند کر دی تھی۔

"تم دونوں کا شکریہ۔۔۔ اب میری عرف محفوظ رہے گی" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

دوسری طرف خبیث مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے ایس ایچ او موبائل پہ کسی کا نمبر ملایا۔

"خان! غربت نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ آپ امیر ہیں ہمارے۔۔ اس وقت آپ کی ہی یاد آنا تھی" دوسری طرف کال پک ہوتے ہی اس نے خباثت سے کہا تھا۔

"بولو کیا بات ہے..... مال مل جائے گا۔" دوسری طرف کا آدمی بھی اسے پہچان چکا تھا۔

اور ایس ایچ او نے خباثت سے دانت نکالتے ہوئے کول اور عرف والی ساری بات بتادی تھی۔ سبحان کا سانس چڑھنے لگا تھا۔۔

"اس کول کا اب کوئی پکا انتظام کرنا پڑے گا۔ ویسے بھی اب اس کے لئے میری زندگی میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی" اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کال بند کی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

تاروں بھری رات میں چھت پہ آسمان تلے بیٹھنا اس کو ہمیشہ سے پسند تھا۔ آج بھی ایسی ہی صاف رات تھی بے حد شفاف اور روشن۔ ساتھ والی چار پائی پہ دونوں بچے پرسکون سو رہے تھے۔ لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ موبائل نے وا بھریٹ کیا تو وہ چونکی۔ اس نے نام دیکھے بنا ہی کال پک کر لی تھی۔ نظریں ہنوز ستاروں پہ جمی تھیں۔

"السلام علیکم خان"

"کیسی ہو خان کی زندگی؟" دوسری طرف سالار تھا۔ وہی ہشاش بشاش سالہجہ جو سندرے کو ہمیشہ سے پسند تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا تھا۔

"کبھی تو اپنی بھی فکر کر لیا کرو" وہ ناراض ہوا

"آپ ہیں ناں میری فکر کرنے والے۔ مجھے میری فکر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی" دوسری طرف خاموشی رہی۔

"خان۔!" اس نے دھیرے سے پکارا

"ہم" سالار نے ہلکا سا ہنکارا بھرا۔ وہ شاید نیند میں تھا۔

"گھر کب آئیں گے؟"

"یاد آ رہا ہوں" نیند بھی مسکرا اٹھی تھی۔

"بھولتے کب ہیں.....؟" وہ ہمیشہ اعتراف کرنے میں نہیں جھجکتی تھی۔ اسے سالار سے محبت تھی اور وہ اس کا بارہا اعتراف کرنے سے نہیں ہچکچاتی تھی۔ سالار کو اس کی اس ادا سے عشق تھا۔

"شکر ہے یار۔ تم اور عورتوں کی طرح شرماتی نہیں ہو"

"لیں..... اپنے شوہر سے سچی محبت میں کیسی شرم۔۔"

"ساری دنیا کے سامنے کہہ سکتی ہوں میں آپ سے کتنا پیار کرتی ہوں" اس نے فخر سے کہا۔

"ہیں سچ" وہ جیسے اٹھ بیٹھا۔۔ سندرے مسکرا دی

"بالکل"

"چلو پھر میں سپیکر آن کرتا ہوں یہاں میرے سب دوست بیٹھے ہی۔ بلند آواز میں اعتراف محبت کرو تا کہ سب مجھ پر رشک اور

میں فخر کر سکیں" اس کے کہتے ہی سندرے کے لب ذرا سے کھلے تھے"

"لیکن..... خان....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں..... جلدی بولو ہاں۔۔" اس نے حکم دیا

"اوائے سنو سب" وہ شاید دوستوں کو متوجہ کرنے لگا تھا

"خان۔ بے بی اٹھ گئی۔۔" اس نے تیزی سے کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔۔ سالار کا قہقہہ جاندار تھا.....

☆.....☆.....☆

بہت دن بعد آج وہ سدیس کے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے لائٹ جان بوجھ کے آف چھوڑ دی تھی تاکہ داجی یا عارفین کو یہاں

اس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو۔ وہ آج کی رات یہیں رہنا چاہتی تھی۔ سدیس سے جڑی یادوں کے ساتھ۔۔ اس نے نائٹ بلب آن

کیا اور سدیس کی سٹڈی ٹیبل کے قریب آ گئی۔ روشنی کا جھماکا سا ہوا تھا۔ اور سفید نور سا سراپا سارے کمرے میں اجالا سا بکھیرنے لگا تھا۔ وہ

سدیس تھا۔ اس کے گلابی ہونٹوں پہ پیاری مسکان تھی۔ چہرے پہ ہلکا ہلکا سنہری رواں اس کی معصومیت کو مزید نکھار سار رہی تھی۔ وہ ڈائری

تھامے بیٹھا تھا۔ وہ وہیں رک کے اسے دیکھنے لگی۔

"آپی! یہ غریب لوگ اتنے بے بس کیوں ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں اتنی حسرت کیوں ہوتی ہے؟" وہ بول رہا تھا۔ عرف

سن رہی تھی۔

"میرا دل کرتا ہے ہم سب غریب ہو جائیں خیر ہے لیکن بس کسی کی آنکھوں میں کوئی حسرت نہ رہے۔۔"

"میں خواب نہیں دیکھتا آپ۔۔ میں تو تعبیر ڈھونڈتا ہوں..... خواب تو ٹوٹ جاتے ہیں۔۔ تعبیر ہمیشہ پختہ ہوتی ہے" اور منظر اچانک بدلا تھا۔ کرسی کی جگہ سٹرچر تھا اور اس پہ پڑا سفید چادر میں ڈھکا وجود اور سفید چادر سے رستا خون..... "سدلیں" وہ وہیں زمین پہ ڈھسی گئی تھی۔ منظر غائب ہو گئے تھے۔ صرف وہ تھی اور سدلیں کا خاموش خالی کمرہ۔ "سدلیں....." وہ پھوٹ پھوٹ کے رودی تھی.....

☆.....☆.....☆

ڈورنیل کی تیز آواز پہ اس کی آنکھ کھلی تھی۔ پھر اس نے زوردار دھماکے کی آواز سنی تھی۔ یوں جیسے کوئی باہر صحن میں کودا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کون ہے؟" وہ ابھی کمرے کا دروازہ کھول پایا تھا۔ جب اس نے داجی کی گرجدار آواز سنی تھی۔

"میں ہوں داجی۔۔ سبحان" دوسری طرف کی آواز سن کر وہ باہر آ کر سیڑھیوں پہ رک گیا۔ نیچے کا منظر واضح تھا۔ سبحان کی آواز گھر کے اندر سے ہی آرہی تھی۔ داجی نے بنا کسی خوف کے جالی دار دروازہ کھول دیا تھا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے کسی کے گھر آنے کا"

"اپنے ہی گھر آیا ہوں داجی اور اپنے گھر آنے کے لئے بندہ طریقہ نہیں دیکھتا۔ جو راستہ کھلا ہوا اندر آ جاتا ہے۔" وہ مونچھوں کو تانا دیتے ہوئے خباثت سے مسکرایا۔

"کس کام سے آئے ہو؟" داجی بھلا کب اسے خاطر میں لاتے تھے۔ فوراً پوچھا۔

"بتاتا ہوں۔ صبر کر لیں۔ کچھ دوست ہیں میرے ساتھ ان کو اندر آنے دیں۔ آج رات شاید یہیں رک جائیں ہم" وہ پیچھے مڑ کر گیٹ کھولنے لگا۔ داجی اسے چپ چاپ دیکھ گئے۔ عارفین لب کچلتا رہا۔ گیٹ کھلتے ہی مولوی صاحب کو زبردستی پکڑے دوا دی اور دوسلخ افراد بھی آگے پیچھے داخل ہوئے۔ داجی مولوی صاحب کو دیکھتے ہی چونک پڑے۔ وہ قریبی مسجد کے ہی امام تھے اور ان کی داجی سے کافی اچھی جان پہچان تھی۔

"امام صاحب آپ"

"خان جی۔ یہ زبردستی مجھے ساتھ لائے ہیں۔ کہتے ہیں آپ کے پوتے ہیں اور آپ کی پوتی سے نکاح کرنے آئے ہیں" امام صاحب نے سچ بتانے میں دیر نہیں کی تھی۔ لیکن سبحان مطمئن کھڑا مسکراتا رہا تھا۔ جیسے سب کچھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کوئی اسے نہیں روک سکتا تھا.....

☆.....☆.....☆

عارفین کا دل کیا تھانیچے اتر کے اس خبیث کا منہ توڑ دے۔ لیکن بہر حال اسے عقلمندی سے کام لینا تھا۔ جذبات سے نہیں۔ وہ واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ سبحان کے ساتھ گن مین تھے۔ وہ کسی طرح کی حرکت کر سکتا تھا۔ پچھلے واقعے سے اسے اتنا تواندازہ ہو گیا تھا۔ اور اسی لئے وہ ہر طرح سے اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ آگے کسی بڑے نقصان سے آرام سے بچا جاسکے۔

اس نے اپنے آدمیوں کو کال کی تھی اور ان کی لوکیشن پتہ کی تھی۔ وہ اس کے قریب ہی تھے اور ان سب نے صرف چند سیکنڈز میں گھر کے اندر ہونے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

عارفین نے لیکن انہیں اس کے فائنل اشارے تک انہیں کسی قسم کی حرکت کرنے سے منع کر دیا تھا۔

"جیسے ہی مجھے ضرورت ہوئی میں ایمر جنسی بٹن دبا دوں گا۔ تم ساتھیوں کے ساتھ اندر آ جانا" اس نے ہدایت کی تھی۔ اور کال بند کر کے باہر آ گیا تھا۔ اسے اب نیچے جانا تھا۔ لیکن تیسری سیڑھی پہ قدم دھرتے ہی وہ جھٹکے سے رکا تھا۔

"تم نے بہت دیر کر دی سبحان۔۔۔ عرف کا نکاح ہو چکا ہے۔ اور اب تم اس کے خواب دیکھنا چھوڑ ہی دو تو اچھا ہے" داجی کی بات پہ وہ جیسے پتھر کا ہوا تھا۔ دل ایک دم جیسے سانس لینے سے انکاری ہوا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ ادھر سبحان کا غصے کے مارے برا حال تھا۔

"ناممکن۔۔۔ میں نے ساری تفصیلات پتہ کیس تھیں آپ کے اور عرف کے بارے میں۔ ایسی کوئی خبر مجھے نہیں ملی۔ نہ ہی کبھی میں نے عرف کو کسی شخص کے ساتھ دیکھا ہے جو کسی طرح سے بھی اس کا شوہر لگا ہو" وہ یوں اعتماد سے بات کر رہا تھا۔ جیسے واقعی اس نے داجی کا جھوٹ پکڑ لیا ہو۔

"حیرت ہے۔۔۔" داجی طنزیہ مسکرائے

"اس دن تم نے اچانک ایک اجنبی پہ فائر کیوں کھول دیئے تھے۔" اور ان کی اگلی بات پہ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔

"تمہیں کیا لگا۔ ہم نے جو پولیس میں رپورٹ نہیں کروائی تمہارے خلاف تو کیا ہم ڈر گئے یا وہ شخص مر گیا۔"

"نہیں سبحان خان" ان کی آواز میں جلال بھرنے لگا۔

"کیونکہ وہ عرف کا شوہر ہے اور الحمد للہ خیر و عافیت سے ہے۔ ہم بس اب تمہارے خلاف کچھ پکے ثبوتوں کی تلاش میں ہیں۔ پھر تمہیں تمہارے انجام سے کوئی نہیں روک سکتا" ان کی آواز میں جاہ تھی۔ حیرت میں گم عارفین نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا تھا اور سبحان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"اوہ! تبھی میں کہوں یہ لڑکا ہر وقت یہاں وہاں عرف کے آس پاس کیوں منڈلاتا رہتا ہے" وہ دو قدم عارفین کے قریب آیا۔

"مجھے تو یہی بتایا گیا تھا کہ یہ یہاں کرایہ دار ہے آپ کے کسی دوست کا بیٹا۔ آپ نے اتنا بڑا قدم اٹھالیا اور ہم میں سے کسی کو بتانا

بھی مناسب ہی نہیں سمجھا۔ "وہ واپس داجی کی طرف مڑا۔

"آپ یہ بھی بھول گئے داجی۔ ہماری حویلی کی عورتوں کی شادی غیروں میں نہیں ہوتی"

"ہاں"۔ داجی نے اسی کے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"کیونکہ حویلی کے مرد اب مرد نہیں رہے تھے۔ لٹیرے بن گئے تھے۔" ان کی آواز میں تلخیص تھی۔

سبحان ہونٹ چبانے لگا

"اور اب جاؤ۔ ورنہ عارفین کو تم نہیں جانتے۔ کیا کیا کر سکتا ہے تمہارے ساتھ" ان کی بات سن کر وہ دوبارہ عارفین کے قریب

آیا تھا۔

"اس کے ساتھ تو اب تفصیلی ملاقات کرنی پڑے گی" اس کی آنکھوں میں زہر تھا۔

"زہے نصیب" عارفین مسکرا کر بولا۔ سبحان نے ایک زہریلی نظر اس پہ ڈالی تھی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ باہر نکلا تھا۔

"امام صاحب" عارفین ان کے جاتے ہی دروازہ بند کر کے اندر آیا تو داجی امام مسجد کو مخاطب کر رہے تھے۔

"میرے خیال میں یہی بہترین وقت ہے۔ مجھے دیر نہیں کرنی چاہئے"

"کیا مطلب ہے خان جی" امام صاحب نے حیرت سے ان کو دیکھ کے پوچھا تھا۔ عارفین بھی متوجہ تھا۔

"آپ جاییے اور گواہوں کا بندوبست کیجئے۔ میں آج فجر کے بعد ہی عرف اور عارفین کا نکاح کر دینا چاہتا ہوں" انہوں نے

جیسے فیصلہ سنایا تھا۔ عارفین کا منہ حیرت سے کھلا تھا اور شور شرابے سے آنکھ کھل جانے پہ باہر آتی عرف جھٹکا کھا کے رکی تھی۔

"عرف اور عارفین دونوں میرے بچے ہیں۔ اور میری بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔" ان کی آواز میں مان تھا۔ اور نظریں سامنے

کھڑے عارفین پہ جمی تھیں۔ وہ سر جھکا گیا تھا۔ اور عرف اسے یوں رضا مندی ظاہر کرتا دیکھ کے واپس کمرے میں مڑ گئی تھی۔ اسے اب خود کو

داجی کے فیصلے کے لئے راضی کرنا تھا۔ اتنا مان تو وہ بھی رکھ سکتی تھی ان کا۔

☆.....☆.....☆

جس قدر غصہ انہیں عرف اور عارفین کے نکاح پہ تھا اسی قدر غصہ کوئل پہ بھی۔ کوئل نے ہر بار حد پار کی تھی۔ وہ غصے سے گاڑی تقریباً

اڑا تا فارم ہاؤس پہنچا تھا۔ اور اتنی تیزی سے بریک ماری تھی کہ ساری حویلی رات کے اس پہر خوفناک چنگھاڑ سے گونج اٹھی تھی۔ گاڑی سے

نیچے اترتے ہی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے رہائشی حصے میں آیا تھا اس کے گن مین دروازے کے قریب ہی آکر رک گئے تھے۔ وہ تیزی سے اندر

آیا تھا۔ اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"سبحان" اس سے پہلے کہ وہ اوپر کوئل کے کمرے کی طرف قدم بڑھاتا۔ کسی کی بھاری آواز پہ اس کے قدم پتھر کے ہوئے

تھے۔ وہ جھٹکے سے مڑا تھا۔ وہ اسفندیار تھے۔ کول کے ساتھ ہی بڑے صوفے پہ اطمینان سے بیٹھے وہ اس کا پارہ مزید ہائی کر گئے تھے لیکن بہر حال وہ ایسے شخص تھے کہ جنہیں وہ چاہ کے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

"کافی آگے نکل گئے ہو۔۔۔ ہم تو تمہیں کافی پیچھے سمجھتے رہے" ان کی آواز میں طنز تھا۔

"تو....." وہ خود پہ قابو پا تا ڈھٹائی سے بولا

"مرد ہوں۔۔ جو چاہے حد پار کر لوں" وہ بھی انہی کی طرح اطمینان سے ایک صوفے پہ لیٹنے کے سے انداز میں گر گیا۔

"مرد کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں۔ لیکن تمہیں دیکھ کے لگتا ہے تم ساری حدود بھلا چکے ہو"

"بھولا نہیں۔۔ کر اس کر چکا ہوں" اسکے لہجے میں غرور تھا۔

"اچھی بات ہے۔۔ بس اتنا یاد رکھنا کہ حدود ختم ہوتے ہی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔۔

مہلت، حیثیت، حتیٰ کہ کبھی کبھی حرکت بھی۔۔ سنبھل جاؤ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے" اسفندیار اٹھتے ہوئے بولے کول بھی ان کے ساتھ اٹھی تھیں۔

"میں چاہتا تو آتے ہی کول کو یہاں سے لے جاتا لیکن میں چاہتا تھا۔ تم سے خود بات کر لوں۔ اب سمجھ آ گیا مجھے۔ کہ میں نے صرف ایک گھر بچانے کے لئے ایک پوری زندگی داؤ پہ لگا دی تھی کاش میں اپنی بہن کے ان تمام برے دنوں کا کچھ مداوا کر سکوں"

"کول کہیں نہیں جائے گی اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں"

"یہ کہنے کا حق تم کھو چکے ہو۔ کیونکہ جس تھانیدار کو تم نے کچھ روپے دے کر خریدا تھا۔ وہ مجھ سے دگنلا لے کر تمہاری اس سے آخری بات مجھے بیچ چکا ہے اور تم جو ارادہ کول کے لئے رکھتے ہو اس کے بعد بھی میں اسے یہاں چھوڑنے کی غلطی کروں گا۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے"

"یہ جگہ میری ہے یہاں نہ کوئی اپنی مرضی سے آسکتا ہے نہ جا....." وہ اٹھتے ہوئے مسکرایا۔ اسفندیار بھی مسکرا دیئے۔

"میں آیا بھی اپنی مرضی سے تھا اور جاؤں گا بھی اپنی مرضی سے۔۔ تمہارا یہ فارم ہاؤس پولیس کے گھیرے میں اور میرے آدمی بھی ساتھ ہیں۔ میرا فون آن کال ہے اور وہ ہماری ایک ایک بات سن رہے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر تم کوئی حرکت کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں" انہوں نے اس قدر طنزیہ لہجے میں کہا تھا کہ سبحان واقعی بے بسی سے لب کا تارہ گیا تھا۔

"چلو کول۔۔" انہوں نے بہن سے کہا۔ پھر مڑ کر سبحان کی طرف دیکھا۔

"اور ہاں۔۔ اب جرگے کے لئے تیار رہنا۔ بات اب سرعام ہوگی۔ بہت راز چھپائے تمہارا گھر بچانے کے لئے" جلال سے کہتے وہ کول کا ہاتھ پکڑے باہر نکل گئے۔ سبحان نے قریب میز پہ پڑا گلدان اٹھا کے دیوار پہ مار دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

سدیس کی سفید چادر اوڑھے اسی کے بستر پہ بیٹھے اس نے اپنی زندگی کا حق مکمل طور پہ داجی کو سونپتے ہوئے عارفین سے نکاح کے لئے حامی بھری تھی۔ صرف تین بول بول دینے سے وہ اجنبی رکھوالا اس کا محرم جاں بن گیا تھا۔ رشتوں کو بدلتے اس نے پہلے بھی دیکھا تھا۔ محسوس کیا تھا۔ اور آج بھی.....

اس نئے رشتے سے جڑتا.....

ہر نیا احساس.....

ہر نئی خوشی وہ محسوس کر رہی تھی۔

وہ اس رشتے کے لئے کبھی نہ تیار تھی.....

نہ اس نے سوچ تھا.....

لیکن نہ جانے کیا تھا نکاح کے بندھن میں.....

وہ لحوں میں خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔ داجی اسے کچھ دیر قبل پیش آنے والے واقعے اور سبجان کے نئے عزائم کے بارے میں سب بتا چکے تھے۔ جس کے بعد یوں عارفین سے جڑنا اسے واقعی کوئی معجزہ معلوم ہو رہا تھا۔

اگر جو اس وقت عارفین کی جگہ واقعی سبجان ہوتا.....

اس سے زبردستی اسے نکاح جیسے مقدس رشتے سے جڑنا پڑتا.....

وہ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ اس خوف کو جھٹک بھی نہیں پا رہی تھی۔ نکاح کے بعد مہمانوں کے چلے جانے کے بعد داجی اس کے پاس آئے تھے۔

"میں نہیں جانتا عرف بچے۔ میں نے ٹھیک کیا یا غلط۔۔۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں عارفین تمہارے ساتھ کچھ بھی غلط نہیں ہونے دے گا۔ تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور تمہارے خواب بھی ضرور پورا کرنے میں تمہارا ساتھ دے گا۔" اور اس نے ادب سے سر جھکا کے انہیں مان دے دیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں سدیس کی یادوں کے ساتھ رہی پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ صبح پورے رنگوں سے ہر سو کرنیں بکھیر رہی تھی۔ گلابی فراق پہ سفید چادر اوڑھے وہ گلاب کے پھولوں میں کھلا گلاب لگ رہی تھی۔

"میری زندگی میں یوں ایک دم سے آنے کے لئے شکر یہ" وہ اس قدر اچانک اور اس قدر قریب سے بولا تھا کہ عرف واقعی میں اچھل پڑی تھی۔

"میں نہیں جانتا قسمت نے اتنی جلدی کیوں کی۔ میں تو ابھی آپ سے خود بات کرنا چاہتا تھا۔ کچھ بتانا چاہتا تھا۔ آپ کے جواب کا شدت سے انتظار کرنا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن....." وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی جہاں صرف محبت جگمگا رہی تھی۔ اس کا عکس روشن تھا۔

"قدرت نے تو بس مجھے نواز دیا"

"بس اب تم سے ایک گزارش ہے عرف۔۔۔ مجھ سے کبھی بدگمان نہ ہونا۔ وضاحت مانگ لینا۔ وضاحت مان بھی لینا۔ یقین کرو۔ محبت کا ایک روپ نہیں ہوتا۔ میں نے اس کے کئی روپ دیکھے ہیں۔ ہر روپ بہت پیارا ہے۔ بس کبھی بدگمان نہ ہونا" کہہ کر وہ اس کا جواب سنے بنا ہی پلٹ گیا تھا۔ اور عرف سوچتی رہی گئی تھی۔

آج اس رشتے کے شروعات پہ ہی اسے وضاحت دینے یا مانگنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ کیا کچھ ایسا تھا جو وہ نہیں جانتی تھی یا بہت جلد جاننے والی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سوچتی رہی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ دونوں مسلسل باتیں کر رہے تھے۔ سندرے کو آج وہ بے حد الجھے الجھے لگ رہے تھے۔ کئی بار ایسے مواقع آئے تھے زندگی میں جب وہ حقیقتاً پریشان ہو کے رہ گئی تھی۔ لیکن خان کبھی بھی پریشان نہیں ہوتے تھے۔ ان کے اعصاب بہت مضبوط تھے۔ وہ ہر مشکل سے لڑنا جانتے تھے۔ زندگی کے اس ساتھ میں یہ پہلی بار تھا جب وہ پریشان محسوس ہوئے تھے اسے۔ اور کچھ الجھے ہوئے بھی۔

"انسان اتنا بے بس کیوں ہو جاتا ہے کبھی کبھی سندرے؟" اس نے دور آسمان پہ ٹوٹے تارے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور عین اسی وقت اس کے دل میں یہ خواہش بھی ابھری تھی کہ کاش ٹوٹے تارے کو دیکھتے ہوئے دعا سچ ہونے والی بات سچ ہوتی اور وہ سب اچھا ہو جانے کی دعا مانگ لیتا۔

دوسری طرف پر یوں کی کہانیوں پہ یقین رکھنے والی پر یوں جیسی سندرے نے اسی وقت بنوں ٹاؤن شپ کے تاروں بھرے آسمان پہ بھی تارا ٹوٹے ہوئے دیکھا تھا اور فوراً دعا کی تھی۔ جو بھی پریشانی تھی اس کے خان کی وہ فوراً دور ہو جائے۔۔

"پریشان ہیں خان۔"

"نہیں۔۔! بس ذرا سا الجھا ہوا ہوں" اس کے سوال کے جواب میں کافی دیر خاموشی کے بعد بولا تھا۔

"الجھن شیریں کریں ناں۔ میں حل نکال لوں گی"

"الجھن کچھ ایسی ہے کہ میں ابھی شیریں نہیں کر سکتا ناں"

"اب میں اندازہ لگاؤں" حسب عادت وہ اب اس کا دھیان موڑ رہی تھی۔ وہ سمجھ بھی رہا تھا۔ لیکن اسے ہمیشہ ایسے اچھا بھی لگتا تھا۔

"نہیں لگا پاؤ گی" وہ مسکرایا

"کوشش تو کروں ناں..... آپ تو ایسے ہی مجھے فیل کر رہے ہو" وہ مصنوعی خفگی لہجے میں بھرتے ہوئے بولی۔

"اچھا..... چلو۔۔ پھر لگاؤ اندازہ"

"میری یاد آرہی ہے"

"تمہاری یاد مجھے کبھی بھی الجھاتی نہیں" وہ کندھے اور کان کے درمیان میں سیل پھنساتا آستینیں فولد کرنے لگا۔

"تو پھر بچوں کی یاد آرہی ہوگی۔" وہ مسکرائی

"وہ بھولتے ہی کب ہیں" اس کی مسکراہٹ بھرپور تھی۔

"اچھا۔۔" وہ کچھ دیر سوچنے لگی

"میں نے سنا ہے پشاوڑ پہاڑی دیس ہے۔ وہاں پریاں اور دیوبستے ہیں۔ کسی پری کے حسن پہ تو نہیں فدا ہو بیٹھے" اور عارفین کا

دل دھک سے بیٹھا تھا۔ وہ چپ سا رہ گیا تھا۔

دوسری طرف سندرے کو اس کی خاموشی نہ جانے کیوں بہت بامعنی لگی تھی۔ اس نے بولنے میں دیر نہیں کی تھی۔۔

"اور اگر ایسی بھی بات ہے تو میرا یقین کریں خان..... الجھیں مت۔ اپنے دل کو آزاد چھوڑ دیں۔ کیونکہ دلوں پہ ہمارا کوئی اختیار

نہیں۔ یہ تو اللہ کے حکم سے پھرتے ہیں۔ جس طرف اذن ہو، جس طرف ضرورت ہو۔۔"

"اچھا اچھا۔۔ بس اب اتنے اندازے بھی مت لگاؤ یار"

وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

"اور آپ بھی میری باتوں کو نہ بھلایا کریں۔۔ میں نے کہا تھا کہ بنوں کی عورتوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں خان۔۔" وہ

بھی مسکراتے ہوئے بولی تھی

"اور اب آپ سو جائیں۔ بچے اٹھنے لگے ہیں۔" اس نے بہانہ گھڑا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"اللہ حافظ خان" اس کے لہجے میں محبت تھی۔

"خدائے پامان" وہ مسکرا نہ سکا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

پتھروں اور ریت سے ڈھکی یہ زمین پندرہ کنال کے رقبے پہ محیط تھی۔ یہ غیر آباد علاقہ تھا۔ دور دور تک خالی زمین اور کیکر اور

سفیدے کے درختوں کے یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ عارفین نے گاڑی روکی تو وہ تیزی سے نیچے اتر آئی۔ عارفین نے بھی اس کی تقلید کی تھی اور

گہری نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لینے لگا تھا۔

"شہر سے کافی دور نہیں ہے یہ جگہ۔۔" اس نے دھوپ میں چمکتے اس سنہری روپ کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے رائے دی تھی۔

"دور تو ہے۔۔" عرف ایک طرف آگے بڑھنے لگی۔

"لیکن میرے پاس اتنا سہارا نہیں کہ سکول کے لئے شہر میں کسی زمین کا بندوبست کر سکوں" وہ اب جیسے اندازہ لگا رہی تھی کسی چیز کا۔ اس کے چہرے پہ سوچ کا عکس تھا۔

"پھر اتنی بڑی زمین ایک ہی جگہ مل جانا اور بھی ناممکن ہوگا۔۔ اس لیے یہی جگہ بالکل ٹھیک رہے گی۔۔ پھر زیادہ فاصلہ بھی نہیں ہے۔ صرف آدھا گھنٹہ ہی لگے گا۔ ہم ٹرانسپورٹ کی سہولت بھی دے سکتے ہیں" اس کے پاس جیسے ہر مشکل کا حل تھا۔

"تم اسے بہت ایزی لے رہی ہو" اس نے گاڑی کے بونٹ پہ بیٹھتے ہوئے ٹانگوں کی فینچی بناتے ہوئے لاپرواہی سے کہا تھا۔ عرف نے تیز نگاہ اس پہ ڈالی۔

"آئی مین..... میرے خیال میں یہ کافی مشکل ہے" وہ کندھے اچکا تا فوراً بات سنبھالنے لگا۔ عرف رخ پھیر گئی۔

"جاگتی آنکھوں سے دیکھے خواب بہت عزیز ہوتے ہیں عارفین۔۔!!!

اور ان خوابوں کا پیچھا کرنے والے کسی ناممکن سے گھبراتے نہیں۔ بس ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مجھے بھی بس تعبیر ڈھونڈنی ہے۔۔ اور اللہ پاک ہر چیز پہ قادر ہے" کہہ کے وہ گاڑی کی طرف آگئی تھی۔

"بے شک" عارفین نے کہا۔ تبھی کسی گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے۔ وہ دونوں بری طرح چونکے تھے۔ وہ سبحان اور اس کے آدمی تھے۔ عارفین فوراً عرف کی سائیڈ پر آیا تھا۔

"میں بار بار تم لوگوں کو وارن کر رہا ہوں لیکن شاید تم لوگوں کو سمجھ نہیں آتی" وہ گاڑی سے اترتا ان کی طرف آیا تھا۔

"یہی شکایت ہمیں بھی ہے تم سے" عارفین کی نظروں میں سختی تھی۔

"تم۔ اس معاملے سے دور رہو۔۔ کیونکہ اب یہ کسی رشتے کا نہیں وراثت کا معاملہ ہے اور کوئی عدالت اس حق سے مجھے محروم نہیں کر سکتی۔"

"وراثت کو تقسیم کرنے والا ابھی زندہ ہے" عارفین دو قدم اس کے قریب آیا

"اور ویسے بھی میری معلومات کے مطابق حاجی تمہیں اس زمین سے عاق کر چکے ہیں کب کا۔ اور یہ زمین اب عرف کے نام ہو چکی ہے"

"اس بات کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا۔ کیوں اپنی جوانی کے پیچھے پڑے ہو ترس نہیں آتا تمہیں" وہ عارفین کی نظروں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

"موت اور زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے جس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ تمہیں خود پہ ترس نہیں آتا" عارفین نے اسی کے لہجے میں

بات لوٹائی تھی۔

"عارفین! چلو! استحقاق سے عارفین کا بازو پکڑتی وہ سبحان کا خون جلا گئی تھی۔ اس نے خونخوار نظروں سے عارفین کو گھورا تھا جو فرصت سے مسکرا رہا تھا۔

"ایکشن خیریت سے ہو جانے دو۔ تمہیں بھی دیکھ لوں گا" وہ زہریلے لہجے میں کہتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا
"بصد شوق" عارفین بھی بھلا کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ فوراً جواب دیا تھا۔ عرف اسے کھینچ کر گاڑی کی طرف لائی تھی۔ عارفین
البتہ اس کے ساتھ گھسیٹنا اب بھی سبحان کی اور ہی دیکھ رہا تھا.....

☆.....☆.....☆

عرف اور عارفین کے تعلق کی مضبوط گرہ کیا ڈالی تھی۔ وہ جیسے پرسکون ہو گئے تھے۔
"امان خانان" امان خان کی مسکراتی تصویر پہ نظریں جمائے وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس سے ہم کلام ہوئے تھے۔۔
"بچے! لگتا ہے زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔ دل ہے کہ ساتھ چھوڑنے پہ بھند اور سانس ہیں کہ ابھی اور عرف اور عارفین کے
رشتے کی ہر مہکرا اپنے اندر اتارنے پہ مصر۔۔"
انہوں نے لمبی سانس لی اور جیسے واقعی کچھ اچھا دیکھنے لگے.....
سوچنے لگے.....

"اور مجھے لگتا ہے اس بار دل جیت جائے گا۔۔ کیونکہ فکر سے آزاد ہوا۔۔ عارفین کی نظروں میں، میں نے عرف کے لئے جو
عزت اور محبت دیکھی ہے۔ وہ اس اطمینان کے لئے کافی ہے۔ وقت کی سلیٹ بہت شفاف ہے۔ اس کا قلم بے شک ہماری نیت ہے۔۔
سچائی ہمارا نیل ہو تو صرف اچھائی ہی اچھائی قلمبند ہوتی ہے۔ اور اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ.....
وقت کا لکھا ان مٹ ہوتا ہے۔۔ صدیوں نشان چھوڑ جانے والا۔۔ اور میرا دل کہتا ہے تمہاری اور میری ساری نیکیوں کا شمر اللہ
پاک عرف کی جھولی میں ضرور ڈالیں گے۔ ہر تنگی کے بعد آسائش ہے اور عرف اور عارفین کی زندگی اب مکمل ہونے والی ہے۔۔
ہمیشہ.....

یہ میری دعا ہے.....

اور تم تو ان دونوں کے ساتھ ہو ہی..... وہ مسکرائے تھے۔ اور تصویر سینے پہ رکھ کے لیٹ گئے تھے۔۔ نیندان کی آنکھوں میں
اترنے لگی تھی.....
مسلل تھکان کے بعد کی نیند.....

پرسکون.....
مکمل.....

☆.....☆.....☆

وہ مرد تھا۔ ایک عام سا انسان۔ پھر وہ بہکا نہیں تھا۔ بس ایک نظر ہی تو تھی جس میں وہ شکار ہوا تھا۔ وہ تو خود بھی بے بس تھا۔
سولہ دسمبر کے اس سرخ دن ننھی لاشوں کے ورثاء کو سنبھالنے میں لگا میجر عارفین جب اس زرد پڑتا چہرہ لئے گھبرائی خوفزدہ لڑکی سے ٹکرایا تھا۔ تب اس نے شدت سے خواہش کی تھی۔ اس کے سارے درد خود لے لے۔ اور صرف وہی لڑکی نہیں اس دن ہر گرتے پڑتے وجود کو سنبھالتے ہوئے اس نے یہ خواہش بار بار کی تھی۔ کاش وہ ان کا دکھ بانٹ سکتا۔ زیادہ غم خود رکھ کے ذرا سا حصہ ان کو نواز دیتا۔

لیکن.....

وہ انسان تھا۔

ایک عام انسان.....

بے بس سامرد.....

حقیقی دنیا میں سوپر مین، یا ٹارزن کہاں ہوتے ہیں جو جنگلی یا نفس کے جانوروں سے پلک جھپکتے بچالیں۔۔ ہر بڑے حادثے کو روک لیں۔

وہ بھی اس دن چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پایا تھا۔

اور اسے ہرگز یہ خبر بھی نہ تھی کہ وہ اس برہنہ پیر، بے حالی لڑکی سے دوبارہ بھی کبھی ملے گا اور اس کا چہرہ اس کے دل پہ نقش ہو جائے گا۔ وہ تو بس وہاں کچھ دن رہنے آیا تھا اور اس کی پہلی نگاہ کا اسیر ہوا تھا۔ اور اس سب میں وہ بار بار اس کی راہ سے پلٹنے کی ضد کرتا اور بلا خردل کے ہاتھوں ہار جاتا۔ ہر قدم اسی راہ پہ چلنے پہ بصد ہوتا۔ پھر بھی وہ پرامید تھا۔

یہ زندگی ہے.....

راستے بدل ہی جاتے ہیں.....

لوگ راستہ بدل ہی لیتے ہیں.....

وہ بھی بدل لے گی۔۔

تو وہ بھی آسانی سے واپس پلٹ جائے گا.....

کوئی آہٹ کئے بغیر۔۔

کسی کو بھی خبر ہوئے بنا.....

لیکن سب کچھ الٹا ہوا تھا۔

اس نے محسوس کیا تھا وہ اس کی دھڑکنیں سننے لگی تھی۔

اس کی آنکھوں کو پڑھنے لگی تھی۔

اور قریب تھا وہ اس کے سمجھنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جاتا.....

تو راستہ اچانک سے ہی جڑ گیا۔

عارفین اور عرف۔

آسمان پہ جیسے ان کے نصیب جوڑے گئے تھے۔

تو کیا اسی لئے وہ اسے پہلی نظر میں ہی دیکھ کے ٹھٹک گیا تھا۔

اور اب تو جیسے واپسی کے سارے راستے مسدود تھے۔ جہاں بھی جانا تھا اسے سنگ لے کے جانا تھا۔

"سندرے تو مان ہے میرا" دور حیات آباد کی آخری حدود پہ ٹوٹی پھوٹی پہاڑی کے پیچھے ڈوبتے سورج کو دیکھتے ہوئے اس نے

سوچا تھا۔

"لیکن عرف....." اس کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"کچھ فیصلے وقت کرتا ہے۔ اسے بھی وقت پہ سمجھ آ جائے گا" اس نے خود کو مطمئن کیا تھا.....

وہ پرسکون ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

"سنا عبرت خان۔ کیا حالات ہیں؟" گاڑی ڈیرے کے اندر لاتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا تھا۔

"خان اس بار تو فیضان خان کا پلڑا بھاری لگ رہا ہے۔ آپ کے چچیرے بھائی اسفندیار نے بھی اس کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔"

اس کی بات پہ سبحان کے چہرے پہ تنگی بڑھی تھی۔

"انہیں میں سنبھال لوں گا۔ تم عوام کا قبلہ درست کرو"

"سمجھ گیا خان" اس کے چہرے پر خباثت چل اٹھی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے اسفندیار کا نمبر ملا یا۔ دوسری نیل پہ ہی

کال پک ہوئی تھی۔

"بہت دیر سے انتظار کر رہا تھا۔ کافی لیٹ خبر ملی تمہیں" دوسری طرف کی مسکراہٹ وہ صاف محسوس کر سکتا تھا۔

"فیضان خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے تم شاید بھول گئے ہو اسفندیار۔۔۔ میرا اور تمہارا ایک رشتہ اور بھی ہے" اس کی سبز زہریلی آنکھوں میں شیطانی جاگی تھی۔

"وہی رشتہ تو یاد تھا جو یہ فیصلہ لیا میں نے۔۔۔ ورنہ اتنے سال صرف اسی رشتے کا ہی پاس کرتے آیا ہوں۔" دوسری طرف لہجے میں نفرت ابھری۔

"دعا دو کوئل کو۔ جس نے ہر ایک بات مجھ سے چھپائی اور تمہارے ساتھ نبھا کرتی رہی۔ لیکن اب....."

اب سب کچھ واضح ہو چکا ہے سبحان۔۔۔ اور الحمد للہ بہنوں کے معاملے میں میرے اصول بہت صاف ہیں۔ اتنی بے مول نہیں ہوتیں یہ بیٹیاں، بہنیں کہ صرف خاندان کی جھوٹی شان و شوکت کے لئے ان کو ساری عمر آگ بھری راہ کا مسافر بنا دیا جائے۔۔۔ "ان کے لہجے میں بھائی کی محبت بول رہی تھی۔

"اور اب آئینہ د فون کرنے کی زحمت مت کرنا۔ کیونکہ اس معاملے پر اب تم سے مزید بات کورٹ میں ہی ہوگی" سخت لہجے میں انہیں وارن کرتے ہوئے انہوں نے کال بند کر دی تھی۔ سبحان زیر لب غلیظ گالی بڑبڑا گیا.....

☆.....☆.....☆

جو کاغذات اسے خفیہ طور پہ بھجوائے گئے تھے صبح انہیں وہ ابھی تک چیک نہیں کر پایا تھا۔ اسے بس یہی بتایا گیا تھا کہ کچھ سرکردہ دہشتگردوں کے ٹھکانوں اور ان کے دیگر ڈیٹا کی تفصیلات تھیں ان میں۔ رات کو عرف اور حاجی کے کمرے کی لائٹس بجھتے دیکھ کر وہ فوراً اپنے کمرے میں آیا تھا۔ اور احتیاطاً لائٹ آف کر دی تھی۔ اب وہ موبائل ٹارچ آن کر کے ان کاغذات پہ سرسری نظر ڈال رہا تھا۔ یہ ساری معلومات اس کے اندر کام کرنے والے لڑکوں نے اکٹھی کر کے اسے بھجوائی تھیں۔

سب سے پہلے صفحے پہ سب سے اوپر لکھا گیا نام اسے چونکا گیا تھا۔۔۔ یہ اس طرح کے کاموں میں بھی ملوث ہو سکتا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے دو تین بار، اس نام کو بغور دیکھا۔ وہ غلط نہیں تھا۔ کاغذ پہ کالی سیاہی سے لکھے الفاظ بہت روشن تھے۔

"سبحان خان".....

نیچے اس کے کارناموں کی تفصیلات تھیں جو خاصی طویل تھیں۔ وہ صحیح معنوں میں پریشان ہوا تھا.....



ناول ”تومن شدی“ ابھی جاری ہے۔ اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 5 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

پانچویں اور آخری قسط

سبحان کو لے کے وہ واقعی پریشان تھا۔ بھلے وہ پٹھان تھا۔ جو اپنے حق کے لئے کسی بھی طرح کی حد پار کر سکتے ہیں لیکن ابھی وہ آرمڈ فورسز کا حصہ تھا۔ اسے زور بازو سے ہی نہیں مکمل انصاف اور ثبوتوں سے اسے ہرانا تھا۔ آرمی مین کی ہر سانس اپنی نہیں اس وطن اور اس کے عوام کی امانت ہوتی ہے اور وہ اس امانت سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ چاہتا تو خود پہ قاتلانہ حملے میں اسے با آسانی پھنسا سکتا تھا۔ لیکن داجی کے ضعیف چہرے کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ اپنے بیان میں نامعلوم افراد کا ذکر ہی کر پایا تھا۔ جبکہ بعد میں خود داجی نے اس بات پہ ناراضگی ظاہر کی تھی۔ انہیں اندیشہ تھا سبحان اب نفرت میں مزید کسی بھی حد سے آگے جاسکتا تھا۔ وہ اب سنجیدگی سے اس مسئلے کا سوچنے لگا تھا اور اللہ پاک نے اس قدر آسان راہ سجھا دی تھی۔ وہ جسے صرف اپنا اور عرف کا دشمن سمجھ رہا تھا وہ ملک و قوم کا ہی غدار نکلا تھا۔ اور اب بات ذات سے ہٹ گئی تھی۔ ذات پہ وہ معاف کر سکتا تھا لیکن اب۔۔۔

ہرگز نہیں۔۔۔

”یہ تو میری سوچ سے زیادہ خطرناک آدمی ہے۔ اس کا جلد سے جلد بندوبست کرنا پڑے گا۔“

اس نے سوچتے ہوئے ان کنٹیکٹس کی تفصیلات چیک کرنا شروع کی تھی جو اس وقت سبحان کے نام کے نیچے درج تھے۔ یہ سب کسی نہ کسی طرح اس کے رابطے میں تھے اور عارفین جانتا تھا ان میں ایسے کچھ افراد تو ضرور ہوں گے جو سبحان کے بارے میں مزید انکشافات سامنے لانے میں مدد دیں گے۔ فرض کی بات آتے ہی اس کے کام کی سپیڈ بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب بے پناہ گھبراہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ دل تھا کہ بند ہوا جاتا تھا۔ بنا دوپٹہ اوڑھے، سلپرز پہنے لمبی سانس بھرتی وہ ننگے پاؤں تقریباً بھاگتی ہوئی صحن میں آئی تھی۔ باہر ہوا چل رہی تھی۔ روزانہ والا جس اور گرمی اس وقت فضا سے غائب تھی۔ وہ کچھ دیر لان کے درمیان میں کھڑی لمبی سانس لیتی رہی۔ جلد ہی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے سکون سے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

کتنے ہی پل وہ سکون سا خود میں اتارتی رہی۔ اس کی یکسوئی توڑنے والا وہ نرم سانس تھا جو اس نے اچانک اپنی پیشانی پہ محسوس کیا تھا۔ خود سے بے حد قریب کھڑے عارفین کو دیکھ کے وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ عارفین سادگی سے مسکرا دیا تھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے؟“ وہ بمشکل بول پائی تھی۔ ورنہ دھڑکن اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اپنے قدموں پہ ٹھہرنا محال ہو رہا تھا اسے۔

”کمال ہے۔۔“ رات کے چاند اور سنہری بلب کی روشنی میں اس کی خوبصورت آنکھوں میں بھی جیسے کتنے ہی الاؤجل اٹھے تھے۔

”پہلی بیوی دیکھی ہے جو اپنے ہی شوہر سے اس کے حق کو بدتمیزی شمار کر کے وجہ بھی پوچھ رہی ہے، اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

”خبردار۔۔“ داجی کی وجہ سے میں ابھی اس رشتے کے لئے تیار تو ہو گئی ہوں۔ لیکن یاد رکھو عارفین ابھی ہمارا صرف نکاح ہوا ہے۔

میں اس رشتے کے لئے واقعی تیار ہوں یہ فیصلہ میرے لئے ابھی بہت مشکل ہے۔ سو پلینز کیپ ڈسٹنس ہاں، ضبط سے اس کا چہرہ گلابی ہونے لگا تھا۔ عارفین جذب سے اسے دیکھ گیا۔ اسے یوں خاموشی سے خود کو تکتا دیکھ کر وہ غصے سے پیر پختی واپس ہوئی تھی۔ عارفین ویسے ہی سناکت سا پلکیں موند کے ٹھہر گیا جیسے کچھ دیر پہلے عرف وہاں کھڑی تھی۔ اور کتنی ہی دیر تک اس کے وجود کی پاکیزہ سی خوشبو اپنے اندر اتار تار رہا تھا۔ اور کمرے میں بیڈ پہ اپنی دھڑکن سنبھالتی عرف۔۔ چاہ کر بھی پیشانی سے وہ جلتا لمس نہیں ہٹا پائی تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح دیر تک جاگنے کے باوجود وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ البتہ نماز قضا ہو گئی تھی۔ وہ فکر مند سی داجی کے پاس آ گئی۔ نماز کے فوراً بعد وہ چائے پینے کے عادی تھے۔ اور آج اس کی آنکھ ہی نہیں کھلی تھی۔ تو انہوں نے بھی شاید اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تبھی آنکھ کھلتے ہی وہ سیدھا ان کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ اور اندر آتے ہی اسے حیرت کا شدید جھکا لگا تھا۔ داجی ابھی تک اپنے بیڈ پہ لیٹے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے قریب آئی۔ وہ گہری نیند میں تھے۔ سیدھے لیٹے ہوئے تھے اور دایاں ہاتھ سینے پہ دھرا تھا۔ اس نے پاؤں میں پڑی چادر اٹھا کے ان کے اوپر ڈالنا چاہی۔ تو نظر ان کے ہاتھ کے نیچے سے جھانکتی تصویر پہ پڑ گئی وہ بابا کی تصویر تھی۔ وہ پہلی نظر میں ہی پہچان گئی تھی۔ اس نے چادر ان کے پیروں پہ ڈال دی اور تصویر اٹھانے کے لئے ان کا نرم سا ہاتھ پکڑا۔ اور اگلے ہی پل جھٹکے سے چھوڑ بھی دیا۔ ان کا ہاتھ عجیب طرح سے سرد تھا۔ اور شاید بے جان سا بھی۔ وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی اور غور سے ان کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور پلکیں بھی ایک دم گری گری سی۔۔ وہ بے اختیار سی دو قدم مزید پیچھے ہوئی تھی

”داجی“ اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

”داجی“

پھر ذرا تیز لہجے میں۔۔ لیکن وہ ویسے ہی پرسکون لیٹے رہے تھے۔ عرف کی پہلی آواز پہ جواب دینے والے داجی جیسے ہمیشہ کے لئے چپ ہو گئے تھے۔ عرف کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی تھی۔ سیڑھیاں اترتا عارفین اس کی چیخ سننے ہی تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔۔ اور بے سدھ پڑے داجی کو چپک کرنے لگا تھا۔ عرف وہی زمین پہ بے دم ہو کے گر پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس کا کام یہاں مکمل ہو چکا تھا۔ اور اب اسے یہاں سے کسی اور منزل کا مسافر ہونا تھا۔ وہ جو جانے سے پہلے داجی سے تفصیلی بات کرنا چاہتا تھا عرف اور اپنے رشتے کے حوالے سے۔۔

ان کو اپنے بارے میں ہر سچائی سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔۔

عرف اور اپنے رشتے میں ان کے کردار کو ایک کڑی کی طرح بنانا چاہ رہا تھا۔۔ یوں ایک دم سے داجی کے جانے پہ وہ صحیح معنوں میں خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

سندرے سے وہ کسی سخت قسم کے ری ایکشن کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ لیکن عرف۔۔۔

عرف کچھ بھی کر سکتی تھی۔۔

کسی بھی طرح ری ایکٹ کر سکتی تھی۔۔

جو سپیس وہ فی الحال اسے اور اپنے رشتے کو دے پار ہی تھی وہ شاید اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔۔

داجی کی یکدم موت کا صدمہ بھی اس ٹینشن سے دھیماپڑ گیا تھا۔ اور بات بھی ٹینشن کی تھی۔ عرف کچھ بھی فیصلہ سنانا سب کچھ جاننے کے بعد وہ قبول کر لیتا، کیونکہ داجی تھے اس کے ساتھ۔۔ لیکن اب۔۔۔

اب وہ اسے اکیلا چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔۔ سادہ سفید کپڑوں میں ننھی سی سرخ پڑتی ناک کو گرٹتی وہ کسی معصوم بچی کی طرح لگ رہی تھی۔۔ اور اس بچی میں کتنا دم تھا۔۔ عارفین علی محسود خوب جانتا تھا۔۔

”یا اللہ پاک۔ یا۔ زامد اوو کے“

☆.....☆.....☆

”میں جانتا ہوں۔۔ مجھ سے ماضی میں بہت بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ہر بار اپنے چچا زاد بھائی کے حق میں دستبردار ہوتے وقت میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ صرف میرا حق تو نہیں لیتا مجھ سے۔۔ میں تو اسے آپ سب کے حقوق بھی سوچ دیتا تھا۔ آپ سب جو صرف مجھ پہ اعتماد کرتے تھے۔ اپنے فرائض مجھے سوچ دیتے تھے۔ میں رشتے داری میں ہمیشہ بھول کر آپ سب کو بھی ان کے ماتحت کر دیتا تھا۔ لیکن یقین رکھیے۔ یہ سب صرف لاعلمی میں ہوا“ یہ پہلی بار نہیں تھا وہ اپنے علاقے کے لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ لیکن ہر بار وہ انہیں سجان کے حق میں فیصلہ دینے کے لئے ان سے بات کرتے تھے۔ اور اس بار انہیں راستہ بدلنا تھا۔ سجان خان ان کے خاندان کے تھے۔ پھر بھی وہ آزما چکے تھے۔ فیضان خان نیا سہی ایک بار اسے بھی آزمانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اور پھر سجان کے مقابلے میں وہ واقعی برا آپشن نہ تھا۔ سجان کے ظلم و استہزاء سے سب ان کے خاندان سے متفر ہونے لگے تھے اور اب انہیں اپنے خاندان کی گرتی ساکھ دوبارہ سے سنبھالنی تھی۔

”سبحان خان کی اصلیت جیسے ہی مجھ پہ کھلی خدا کی قسم صرف یہیں انکیشن کے میدان میں میں نے فیصلہ نہیں بدلا بلکہ اس سے ہر رشتہ پہ نظر ثانی شروع کر دی ہے۔ میں اس بار ووٹ فیضان خان کو دوں گا۔ اور امید کرتا ہوں آپ بھی اس دفعہ تبدیلی کا ساتھ دو۔۔ کسی کو دی گئی عزت اگر اس نہ آئے تو عزت واپس لے لو۔ خاص کروٹ کی عزت۔۔ کیونکہ جو ووٹ کی عزت نہیں کرتا اسے ووٹ دو گے تو ایک دن ساری ملک و قوم ذلت اٹھائے گی۔ حکومت حکمرانی نہیں نگہبانی ہے۔ ووٹ کی عزت کی۔۔ ووٹر کی خدمت کی۔۔

سبحان خان نے آپ کو آپ کے علاقے کو کیا دیا۔۔ آپ ہم سب جانتے ہیں۔ فیصلہ آسان ہے۔۔“ ساری فضا تالیوں سے گونج اٹھی تھی۔ قریب ہی کسی مسجد سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی تھی اور عین اسی وقت فضا دھماکے سے لرز اٹھی تھی۔۔ ہر طرف سے گونجتی تالیاں آہ و بکا میں بدل گئی تھی۔۔ دھواں سا ہر سو پھیلنے لگا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ گاؤں کا ہر گھر لرز اٹھا تھا۔ بارود کی بو نے سانس تک جلا دی تھی۔ اس علاقے میں سردار ایک ہی خاندان کے تھے۔ کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسفندیار یہاں کے لوگوں کو دشمنی پالنے دیتے تھے۔ اگر علاقے کے لوگوں میں کچھ ان بن ہو بھی جاتی تو۔ بہت ہی پر امن طریقے سے وہ سارا معاملہ حل کر لیتے اور صلح ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں اس علاقے کے لوگوں کے دلوں میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ اور وہ ان کے لئے جان تک لڑا دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔

ان کی اسی اچھائی کی بدولت ہی سبحان خان اب تک اس علاقے سے ہمیشہ کامیاب ہوئے تھے۔ لیکن اس بار اسفندیار نے راستہ اس قدر اچانک بدلا تھا کہ ان کے پاس کچھ بھی کرنے کا وقت نہیں بچا تھا۔ اور اسفندیار اس کے کروتوتوں سے اب تقریباً واقف ہو چکے تھے وہ اپنی وجہ سے لوگوں کی زندگی مزید مشکل نہیں بنا سکتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عین وقت پہ اپنی ہمدردی بدل دی تھی اور فیضان خان کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے۔ اب ان کے حلقے سے وہ پکا جیت جاتے۔۔

انہوں نے واقعی ہمیشہ اپنوں کی طرح گاؤں والوں کا خیال رکھا تھا۔ تبھی اس دن اس پر امن علاقے میں ہونے والے اس دھماکے نے دل دھڑکا دیئے تھے۔۔

گرم دھواں ٹھنڈا ہوا تو لوگ بھاگ کر سٹیج پہ آئے تھے۔ کچھ دیر پہلے صاف ستھرا خوبصورتی سے سجا سٹیج اب راکھ میں بدل چکا تھا۔ اور انسانی اعضاء بھی سامان کے ٹکڑوں کے ساتھ ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ چند لمحوں میں ہی ہر طرف موت کی موسیقی رقص کرنے لگی تھی۔ لوگ حوصلے کی تصویر بنے شہداء اور زخمیوں کو اٹھانے میں لگ گئے تھے۔ سب کو بس فی الحال اتنا پیہ چل چکا تھا اسفندیار اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”عرف“ وہ آہستگی سے دستک دیتا اس کا نام پکارتا اندر آیا۔ تو بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹی عرف جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھی۔ اس کا سرخ چہرہ اور گلابی آنکھیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ روتی رہی ہے۔۔ عارفین کچھ دیر دروازے کے قریب کھڑا اس کا سونا سونا روپ دیکھتا رہا پھر دھیرے دھیرے چلتا اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا۔ عرف مزید سائیڈ پہ سکر کے بیٹھ گئی۔

”میں مانتا ہوں عرف۔ سانحہ اس قدر اچانک اور بڑا ہے کہ تمہیں سنبھلنے میں وقت لگے گا۔ لیکن۔۔۔“ اس کی بات پہ عرف نے نگاہیں اٹھا کے اس کی طرف دیکھا۔

”لیکن میں جس مشن کے لئے یہاں بھیجا گیا تھا وہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اور“ وہ کہتے کہتے پھر کا۔ اس بار عرف اپنے پاؤں کو دیکھ رہی تھی۔

”اور مجھے واپس جانا ہے۔ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اب تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا“

”میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا۔ میں ابھی اس رشتے۔۔۔“

اس نے بولنا چاہا۔

”میں جانتا ہوں۔“ عارفین نے اس کی بات کاٹ دی۔۔

”واجبی ہوتے تو میں بھی یہ بات ہرگز نہ کرتا۔ نہ ہی تمہیں فورس کرتا۔ لیکن اب۔۔۔“

اب تم بھی جانتی ہو۔ میں تمہیں اکیلا تو یہاں نہیں چھوڑ سکتا ہرگز نہیں۔۔۔“ اس کا لہجہ قطعی تھا۔

”پھر تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میں چاہتا ہوں تم میرے ساتھ چلو۔ میرا گھر دیکھو۔۔۔۔“

میرے گھر والوں سے ملو۔۔۔

سب کچھ جانو۔۔

سمجھو۔۔

اور پھر جو بھی فیصلہ کرو میں کچھ نہیں کہوں گا۔۔۔

کیونکہ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔

تم نہیں چاہو گی تو میں کبھی تمہیں میری راہ کا مسافر نہیں بناؤں گا۔ لیکن“ وہ کہتے کہتے رکا۔ پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ اس بار مزاحمت نہ کر سکی۔ چپ چاپ اسے دیکھ گئی۔ وہ جو چمکتی آنکھوں سے دل فتح کرنے کا فن جانتا تھا۔

”میں یہ ضرور کہوں گا۔ رشتہ محبت کا ہو تو بالکل خالص ہو۔ میں تمہیں دل سے قبول کر چکا ہوں۔ تم بھی دل سے کرو تبھی میں

خود کو خوش قسمت کہوں گا۔“ اس کے ہاتھ کو نرمی سے لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے کہا اور پھر فوراً چھوڑ دیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عرف کی

نگاہیں زمین پہ گڑھی تھیں۔۔

”سامان پیک کر لینا ہم صبح سویرے نکل جائیں گے“ کہہ کر وہ رکنا نہیں تھا۔ عرف نے آنکھوں میں بھر آنے والے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

”مبارک ہو خاننا۔۔ اسفندیار کا پتہ تو صاف“ وہ شہر سے حویلی پہنچا تو بڑی خبر اس کی منتظر تھی۔ اس وقت تو خاموشی اور نہایت کرب سے اس نے اسفندیار کی تمام آخری رسومات میں شرکت کی تھی لیکن رات گئے حویلی واپس آ کر اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جیسے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

اسفندیار پر کیے گئے کامیاب خودکش حملہ سے اس کی حیات واپس آ سکتی تھی۔ کوئل کی فرمانبرداری کو اب وہ ایک بار پھر آرام سے استعمال کر سکتا تھا۔۔

”اسفندیار کے بعد لوگ اگر کسی کو مانتے ہیں تو وہ ہے کوئل بی بی۔ میں نہ سہی کوئل سہی۔۔ ہے تو ایک ہی گھر کی بات۔ پھر اس نے کہاں کوئی کام کرنا ہے اس کا تو بس نام استعمال ہوگا۔ کام تو سارا میں نے کرنا ہے“

تھقبے لگاتے شراب اور شباب کی محفل عروج پہ تھی۔ جب اچانک رات گئے حویلی کی مضبوط چھت زوردار آوازوں سے گونج اٹھی تھی۔۔ یوں جیسے مضبوط شوز پہننے والی لوگ ایک ساتھ دوڑ رہے ہوں۔

”یہ کیسی آواز ہے؟“ وہ نشے میں بھی ہوشیار تھا۔ تبھی فائرنگ کی تیز آواز گونجی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا تھا۔

”ہینڈ زاپ“ وردی میں ملبوس جوان اسلحہ تھا مے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ سجان خان کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں تھی۔۔

☆.....☆.....☆

عارفین اس کے بیگز گاڑی میں رکھ چکا تھا۔ عرف نے اس سے اکیلے گھر میں گزارنے کے لئے پندرہ منٹ مانگے تھے۔۔

اسے گھر میں چھوڑ کے وہ باہر گاڑی کے پاس آ گیا۔ خیال بار بار عرف اور سندرے کی طرف ہی جا رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے سندرے کا نمبر ملایا۔ دوسری بیل پہی کال ریسیو کر لی گئی۔

”سلامونہ“ سندرے کی چمکتی آواز سنائی دی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔۔

”وسلام۔۔ کیسی ہو؟“

”خان آرہے ہونہ آج؟“ اور اس کے بے ساختہ سوال پہ وہ خاموش سارہ گیا تھا۔

”خان“ اس نے پکارا

”تمہیں کیسے پتہ؟“ وہ حقیقت میں حیران تھا۔

”صبح سے اتنے کوڑے ہماری ٹیرس پہ آ کے چلا رہے ہیں۔ میں نے چوری بھی کھلا دی۔ تو پتہ چل گیا کہ آپ ہی آرہے ہو“ اس

کی آواز میں یقین تھا۔

وہ کچھ دیر کچھ بھی نہ بول سکا تھا۔

”سندرے“

”جی خان“

”کیا واقعی بنوں کی عورتوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں“ اس نے بھی بالکل ویسے ہی اچانک بات کی تھی۔

سوال اٹھایا تھا۔

”ہاں خان۔۔ کوئی شک“ اور سندرے اس کی طرح خاموش نہیں ہوئی تھی۔ اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

”اور اگر اس بار آزمانے بھی آرہے ہو خان تو بے فکر ہو کے آ جاؤ۔ کیونکہ کسی کا دل بڑا ہونہ ہو۔ میرا دل تو آپ کا ہے نہ۔۔“

”اس کے لہجے میں ہمیشہ والی محبت خوشبودینے لگی تھی۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔

”من تو شدم، تومن شدی

من تن شدم تو جاں شدی..

اب تو میں کہیں دور رہ گئی خان۔ آپ ہی آپ ہو۔ تو یہ سوال کیوں۔۔؟

یہ ملال کیوں خان۔۔؟

میری محبت میں کوئی کمی رہ گئی خان۔“ عارفین کی کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو لڑکھتا اس کی سفید قمیض میں جذب ہو گیا۔

”اچھا میں انتظام کر لوں۔ پہ ماخا دے خا۔۔“ کال بند ہو چکی تھی۔ لیکن وہ فون کان سے نہیں ہٹا پایا تھا۔

☆.....☆.....☆

سب کچھ ہی ناقابل یقین تھا۔ اسفند لالائیوں اچانک منوں مٹی تلے جاسوئے تھے۔ عوام اور حویلی کے ملازموں کی زبانی سبحان

خان کو آرمی نے پکڑ لیا تھا۔ اور اتنا تو وہ جانتی تھیں کہ وہ ملک دشمن عناصر کے ساتھ ہی ملوث تھے ورنہ ایسا ایکشن عام کاموں کے لئے آرمی نہیں لیتی۔ جہاں اسفند یار لالا کا صدمہ تھا وہیں سبحان کی پوزیشن کا دکھ بھی۔ سارے صوبے کے اخبارات میں ان کے خاندان کی عزت اچھالی گئی

تھی۔ سبحان کے کالے کر توت ایک ایک کر کے بتائے گئے تھے۔ اب تک سبحان کی بدمعاشی سے ڈرنے والے سارے دشمن کھلے عام خلاف آگئے تھے۔ تین چار روز لالا کے گھر گزارنے کے بعد وہ بیٹے کے ہمراہ حویلی آگئیں تھیں۔ حویلی میں بلا کا سکون اتر ا تھا۔ سکوت اور ٹھنڈک۔ ”تو یہ طے ہے سبحان خان۔ برے لوگ، لوگوں پہ ہی نہیں ماحول پہ بھی بوجھ سا ہوتے ہیں۔ آخر سی کھینچ ہی لی میرے رب نے۔ وہ بے شک سب سے بڑا منصف ہے“ خانہ کعبہ کی بڑی سی تصویر یہ عقیدت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیں تھیں۔

☆.....☆.....☆

ہلکی ہلکی کن من نے موسم بے حد خوشگوار کر دیا تھا۔ اس نے کار کا اے سی آف کر دیا اور کھڑکیوں کے شیشے گرا دئے۔ اس کی اس حرکت پہ شیشے سے باہر جھانکتی عرف کا چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا تھا۔ اس نے ایک نظر دیکھ کے عرف کا رد عمل جانا تھا پھر گہری مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔ ”تمہیں بارش بہت پسند ہے نا؟“ عرف نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور نگاہیں دوبارہ باہر کی طرف پھیر لیں۔ ”بارش کسے پسند نہیں ہوتی۔“

”نا پسند بھی ہوتی ہے کسی کسی کو۔ لیکن اکثر لڑکیوں کو بڑی پسند ہوتی ہے“ وہ بلا وجہ ہی اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ خاموشی ہر معاملے میں اچھی نہیں ہوتی۔

”ایک بات بتاؤ عرف“

”جی پوچھو“ عرف اس کی طرف متوجہ ہو گئی

”اس دن نکاح کے تین بول تم نے اپنی مرضی سے کہے تھے یا صرف داء جی کی خوشنودی کے لئے“ سوال کرتے ہوئے اس نے گاڑی اور نچ کلر کے پہاڑ کے قریب روکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو اسی کی طرف متوجہ تھی سوال سن کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”بتاؤ عرف“

”وہ سب بہت اچانک تھا۔ اور یہ سچ ہے کہ ابھی بھی فیصلہ نہیں کر پائی کہ اس رشتے کو قبول کرنے کے لئے میرا دل راضی ہے یا نہیں“ وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

”میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی عارفین۔ تبھی میں کوئی بھی فیصلہ نہیں لے پا رہی۔ امید ہے تم فیملی میں جا کے بھی مجھے فورس نہیں کرو گے۔ آخری فیصلہ میرا ہی ہوگا۔ میں نہیں چاہتی تمہاری فیملی مجھ سے کوئی امید لگائے اس لئے تم چاہو تو میرا خود سے رشتہ چھپا بھی سکتے ہو“

”تم پریشان نہ ہو۔ وہی ہوگا جو تم چاہو گی“ عارفین مسکرا دیا تھا۔

”اور ہاں میری فیملی سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے لئے بھی تمہارا فیصلہ اتنا ہی اہم ہوگا جتنا میرے لئے“ اس نے کہتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ عرف اس بار خاموش رہی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

کول کی زندگی جیسے آسان تر ہو گئی تھی۔ بیٹا اب ماشاء اللہ سے کالج میں داخلہ لے چکا تھا اور شہر میں رہ رہا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا بیٹا سبحان خان پہنچ گیا تھا۔ اس نے شگفتہ اور خوبصورت اخلاق ماں سے چرائے تھے۔

کول کی زندگی اب عبادت اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے صرف ہو کے رہ گئی تھی۔ اس نے شہر میں عرف سے بھی ملنے کی کوشش کی تھی پتہ کروایا تھا۔ تب اسے پتہ چلا کہ حاجی کی بھی وفات ہو چکی ہے اور اب عرف اپنے شوہر کے ساتھ بنوں میں ہوتی ہے۔ حاجی کی موت کا صدمہ اپنی جگہ لیکن عرف کے بس جانے کی خوشی نے اس کی نس نس میں سکون بھر دیا تھا۔

اور اسی لئے اب وہ بے فکری سے بس عوام کی خدمت میں مصروف تھی۔ سبحان اس کے لئے کبھی سب کچھ تھا۔ لیکن اب جس راہ کا وہ مسافر تھا وہ رب اور حق سے دور تھی۔ اور وہ اس کے ساتھ ساری زندگی چپ کر کے تو گزار سکتی تھی لیکن اللہ پاک کی نافرمان نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ راہ سبحان نے تمام تر عقل و شعور رکھنے کے باوجود خود چنی تھی سو سزا ہی اس کا مقدر تھی۔

☆.....☆.....☆

دن ڈھل رہا تھا۔ گاڑی کی سکرین سے نظر آتے پہاڑوں کے پیچھے ڈوبنے والے سورج کا منظر بہت خوبصورت تھا۔ شام ہوتے ہوتے مطلع بالکل صاف ہو چکا تھا۔ لیکن فضا میں موجود ڈھنڈک اور نمی ابھی بھی روح کو سکون سا بخش رہی تھی۔ عرف کبھی ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال لیتی تو کبھی گردن نکال کے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتی۔ عارفین محبت سے اسے دیکھتا اور نظریں پھیر لیتا۔ وہ جانتا تھا۔ جس فیصلے کا اس نے وقت کو اختیار دیا تھا۔ اس فیصلے کا وقت نزدیک تھا۔ وقت نے جو بات اسے بتانے نہیں دی تھی۔ وہ آج عرف کے سامنے آنے والی تھی۔ اس روز بھی فیصلہ وقت کا تھا۔ آج بھی وقت نے ہی فیصلہ سنا دیا تھا۔ سندرے ہمیشہ کی طرح محبت سے دل بڑا کئے منتظر تھی۔

اور عرف۔۔۔ عرف نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

وہ بھی گنجائش نکال پائے گی۔

اس کی محبت کو تسلیم کر لے گی۔

اس رشتے کو قائم رکھے گی۔۔۔

یا۔۔۔۔۔؟؟؟

اور وہ فی الحال اس یا کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت اس کے ساتھ تھی۔ یہ کافی تھا۔ بھلے یہ وقت مختصر تھا۔۔۔
لیکن عارفین شاہ محسود کے لئے بہترین تھا۔۔۔

☆.....☆.....☆

لکڑی سے بنے لال گیٹ کے اندر گاڑی لے جاتے ہوئے نہ جانے کیوں عارفین کا دل زور زور سے دھڑکا تھا۔ عرف نے چادر سے خود کو اچھی طرح ڈھانپا اور عارفین کے اترتے ہی خود بھی گاڑی سے نیچے اتر آئی۔
”بابا“ ننھے سے دو بچے گاڑی کی آواز سنتے ہی دوڑے چلے آئے تھے اور عارفین سے لپٹ گئے تھے۔ عارفین نے جھک کر دونوں کو اٹھا لیا تھا۔ ادھر پریشان سی سندریے بمشکل ان کے پیچھے سیڑھیاں اترتی ان کی طرف ہی آرہی تھی۔ جبکہ عرف نقی چہرے سے عارفین سے لپٹے بچوں اور ان کے کہے گئے لفظ ”بابا“ کے مطلب تلاش رہی تھی۔ مطلب سمجھ آتے ہی اسے زور کا چکر آیا تھا۔ اور وہ گاڑی کے پاس ہی زمین پہ گرتی چلی گئی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

ملک بھر میں دہشت گردوں کے خلاف ہونے والی قانونی اداروں کی تیز تر کاروائیوں میں زندہ گرفتار ہونے والوں میں سرکردہ ناموں میں ایک سبحان خان تھا۔ وہ نہ صرف اسلحے کی اسمگلنگ میں ملوث تھا بلکہ اس نے کچھ دنوں کی پوچھ گچھ میں ہی یہ بھی اعتراف کر لیا تھا کہ وہ بھاری رقم لے کر دہشت گردوں کی تربیت کے لئے جگہ اور ان کی ہر قسم کی نقل و حرکت کے لئے ٹرانسپورٹ کا بھی ذمہ دار رہا تھا۔ اسلحہ بھی فراہم کرتا تھا۔ اور اسفندیار کے علاوہ علاقے کے اور معززین کے قتل کا بھی اعتراف کر لیا تھا۔ اور کچھ عرصے کے لئے اس نے پشاور اور کچھ ذیلی علاقوں میں دہشت گردیاں کی چھوٹی موٹی کاروائیوں کے ذریعے عوام میں خوف و ہراس پھیلانے کا بھی اعتراف کر لیا تھا۔
اس کی حقیقت جان لینے کے بعد پہلی بار کوئل کو اس سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی تھی۔

”مورے! بابا کو سزائے موت سنائی گئی ہے۔ اور مجھے لگتا ہے اس کے لئے یہ سزا بھی کم ہے“ شعور کی پختگی کی طرف رواں اس کے بیٹے نے باپ کی سزا کی خبر انہیں دیتے ہوئے تکلیف سے کہا تھا۔ اور محبت وطن ماں نے اس کی چوڑی پیشانی چوم لی تھی۔
”جب تک ہماری فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ ہے اس پاک وطن کے دشمن ایسے ہی نیست و نابود ہوتے رہیں گے۔ پھر وہ ہمارے دشمن ہوں یا ہم ہی میں سے غدار وطن۔۔۔ ان کا انجام یہی ہوگا بچے“

ان کے لہجے میں اطمینان تھا۔ وہ جانتی تھیں اس آپریشن میں کئی پاک جوانوں نے بھی جان کی بازی ہاری تھی لیکن وہ ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید ہو گئے تھے۔ اور سبحان اور اس کے ساتھیوں کا مقدر صرف سیاہی تھا۔۔۔

☆.....☆.....☆

عرف کے بے سدھ وجود کو بیڈ پہ ڈال کے وہ مڑا تو سندرے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ شاید بچوں کو بہلانے میں لگی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کے خود کو کمپوز کیا اور عرف کی بیٹ چیک کرنے لگا۔ بیٹ نارمل تھی۔ مطلب وہ صرف شاک لگنے کی وجہ سے حواس کھو بیٹھی تھی۔ کچھ دیر تک اسے خود بخود ہوش آ جانا چاہیے تھا۔ یہاں سے مطمئن ہو کر اس نے عرف پہ چادر ڈالی اور باہر نکل آیا۔ سندرے بچوں کو شاید باہر کا کا کے حوالے کر آئی تھی۔ بچن سے آتی آوازوں سے واضح تھا وہ اب کام میں مصروف تھی۔ وہ سیدھا کچن میں چلا آیا۔ کھانوں کی سوندھی مہک نے اس کے اعصاب پہ جادو سا کیا تھا۔

"سندرے" بے خبر کام میں مگن سندرے اس کی آواز پہ چونک کے مڑی تھی۔

"کیسی ہے اب وہ خان؟" اس نے برتن ڈھکتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے" وہ مسکراتے ہوئے سلیب سے ٹیک لگا گیا۔ ہاتھ سینے پہ باندھ لئے۔

"میں نے اتنی کوشش کی کہ بچے آپ لوگوں کے آنے سے پہلے سو جائیں۔ لیکن پتہ نہیں کیوں انہیں نیند ہی نہیں آئی آج۔ اگر سو جاتے تو اس طرح فوراً تو یہ سب نہ ہوتا" اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ عارفین کچھ دیر عقیدت سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کے لب اس کی صبح پیشانی پہ رکھ دئے۔ وہ بھی آہستگی سے سر اس کے سینے پہ ٹکا گئی۔

"پتہ نہیں یار۔۔ اس دن لوگوں کے جھوم میں پاگلوں کی طرح اپنے بھائی کو ڈھونڈتی اس لڑکی کی آنکھوں میں کیا تھا کہ میں۔۔۔ لوہے جیسا عارفین شاہ محمود موم بن گیا۔ خدا گواہ ہے سندرے میں اسے اور تمہیں سب بتانا چاہتا تھا اس سے بہت دور چلے جانا چاہتا تھا تاکہ تم دونوں کے معاملے میں مجھ سے کوئی زیادتی نہ ہو جائے۔ لیکن پھر اللہ پاک مجھے اسکے گھر لے گئے اور ایک وقت ایسا آ گیا کہ عرف اور میں ایک دوسرے کو قبول کرنے پہ مجبور ہو گئے۔۔ میں پھر بھی خواہش مند تھا لیکن عرف۔۔ وہ تو شاید ابھی بھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائی۔" وہ شاید وضاحت دینا چاہتا تھا۔ لیکن الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"خان" وہ کہتے ہوئے اس سے الگ ہوئی۔۔

"کچھ چیزیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں۔۔ بس وہ ہونا ہوتی ہیں اور ہو جاتی ہیں۔ اللہ پاک وہی کرتے ہیں جو ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ عارفین نے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل صاف تھیں۔ نئی کاشائے تک نہ تھا۔

"میں نہیں جانتی کن حالات میں آپ اور عرف مجبور ہو گئے اور کیوں اب تک عرف آپ کو قبول نہیں کر پائی۔ آپ جیسا مرد تو خوش قسمت عورت کا نصیب ہوتا ہے۔ پھر یہ تو ہمارے دین کا حکم ہے۔ مجھے تو بہت پیاری لگیں عرف اور میں تو دل سے دعا کروں گی کہ آپ اسے یہاں اپنے ہمارے ساتھ رہنے کے لئے منالو" وہ اس کے قریب ہوئی۔

"منالو گے ناں خان" اس نے عارفین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے محبت سے پوچھا تھا۔ عارفین نے اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے اسے بانہوں کے گھیرے میں بھر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ کھلی تو شام ہونے والی تھی۔ عارفین اس کے قریب رکھے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ اس نے چہرہ ہاتھوں پہ گرا رکھا تھا تبھی اسے جاگتے اس نے نہیں دیکھا تھا۔ دوسری طرف عرف اسے دیکھتے ہی سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ کھٹکے پہ عارفین نے چونک کے اس کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔ عرف مزید سکر گئی تھی۔

"تم ٹھیک ہو عرف؟" عارفین نے نرم لہجے میں پوچھا۔ وہ کچھ دیر بیڈ پہ رکھے اس کے سفید ہاتھ کو دیکھتی رہی۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا عارفین" وہ سسک اٹھی تھی۔

"میرا یقین مانو عرف۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی میرا دل پہ قابو نہیں رہا تھا۔ لیکن میں نے اس طرح سے تمہارے اور اپنے رشتے کو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں تو چپ چاپ مشن مکمل ہونے کے بعد اور سحان سے تمہارا پیچھا چھڑانے کے بعد تمہاری زندگی سے نکل جانے کا تہیہ کر چکا تھا۔ لیکن وقت کچھ اور ہی طے کئے ہوئے تھا۔ پھر داء جی نے جن حالات میں مجھ پہ بھروسہ ظاہر کیا میں چاہ کر بھی نہ کچھ کر پایا۔ تمہیں حقیقت بتا پایا۔ تمہارے نام تک تمہیں پانے کے بعد بھی مجھے یہ خوف رہنے لگا تھا کہ کہیں تم مجھے چھوڑ نہ دو۔

اور میں جانتا ہوں یہ سراسر خود غرضی تھی۔" وہ نظریں جھکا گیا۔

"تبھی میں نے تمہیں یہاں لانے کا فیصلہ کیا۔ تم نے ابھی میرے لئے کچھ بھی نہیں سوچا تھا کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ تو تمہارے لئے راہ بدلنا ابھی آسان تھا۔ اور اسی لئے میں تمہیں تمہارے منع کرنے کے باوجود بھی یہاں لے آیا تاکہ تم جو چاہو فیصلہ کرو۔ میں اب تمہیں فورس نہیں کروں گا"

وہ خاموش ہوا۔ کمرے میں خاموشی سی چھا گئی۔ کچھ دیر تک وہ بنا ایک دوسرے کی طرف دیکھے ایک دوسرے کے منتظر رہے بالآخر عرف نے لب واکئے۔۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو عارفین۔۔۔۔۔ پلیز جاؤ یہاں سے"

وہ رو دی تھی۔۔ عارفین لب کاٹتے ہوئے اسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

کھٹکے پہ اس نے نظریں اٹھا کے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ وہی لڑکی تھی۔ جو اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے سیڑھیوں پہ دیکھی تھی۔ عرف کو اپنی طرف دیکھتا دیکھ کے وہ دھیرے سے مسکرائی۔ عرف نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔۔

وہ سیدھا عرف کے پاس چلی آئی اور ہاتھ میں پکڑی ٹرے اس کے آگے رکھ دی۔

"میرا نام سندرا ہے۔ سندرے کہتے ہیں سب مجھے" اس نے ٹرے میں رکھے برتنوں کے اوپر سے کندورا (رومال) ہٹاتے ہوئے اپنا تعارف بتایا۔ کھانے کی اشتہا انگیز خوش بو سے ایک دم عرف کو تیز بھوک محسوس ہوئی لیکن خود پہ ضبط کرتے ہوئے وہ ویسی ہی بت بنی بیٹھی رہی۔

"حالات کیسے بھی ہوں کھانے سے منع نہیں کرتے" وہ اس قدر محبت سے بولی تھی کہ عرف کو لگا وہاں سندرے نہیں دا جی موجود تھے ابھی۔

"اگر تمہیں اپنے شوہر کے کرتوت پہ چل جائیں ناں تو پھر دیکھوں گی کیسے کھاتی ہو تم کھانا؟" وہ شاید سندرے کو ابھی بھی بے خبر سمجھ رہی تھی۔ اس کی بات پہ سندرے نے بمشکل مسکراہٹ دبائی تھی۔

"اوہ تو آپ اپنے شوہر کے کرتوتوں کی وجہ سے کھانا نہیں کھا رہیں" اس کی شریراواز پہ دروازے کی اوٹ میں کھڑے عارفین کا سردیوار پہ مارنے کو کیا تھا۔ وہ اسے کھانا کھلانے کی بجائے الٹا اس کے دکھ بانٹنے بیٹھ گئی تھی۔

"بالکل۔۔" عرف نے بھی فوراً تسلیم کیا۔ اس بار عارفین مسکرائے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"اور اگر آپ کو بھی پتہ چل گیا ناں تو آپ کا بھی دل ایسے ہی ہر چیز سے اچاٹ ہو جائے گا۔" وہ پورے یقین سے کہہ رہی تھی۔

"خیر یہ تو محبت کی بات ہے۔ لگتا ہے ابھی آپ کو اپنے شوہر سے اتنی محبت نہیں ہوئی"

"کتنی محبت۔۔ اور شوہر کے کرتوتوں سے میری محبت کا کیا لینا دینا۔۔"

"پتہ نہیں کتنی محبت؟" اس کے سوال پر سندرے مسکرائی۔

"ہاں مگر لینا دینا بہت ہے۔ محبت ہو جائے ناں تو میں اور تم ختم ہو جاتا ہے۔

تیری میری ختم ہو جاتی ہے۔۔۔۔

صرف ہم بچ جاتے ہیں۔۔۔۔

ہمارا رہ جاتا ہے۔۔۔۔

پھر وہ ایک دوسرے کی خوشی ہو۔۔۔۔

چاہت ہو۔۔۔۔

یاد رکھ سکھ۔۔۔۔

ہمارا ہوتا ہے۔۔۔۔

مشتہر کہ۔۔۔۔

اور ایک مزے کی بات بتاؤں "سندرے نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے حیران سی عرف کو پریشان بھی کرنا چاہا۔ عرف متوجہ ہوئی اور باہر کھڑا عارفین تو مشتری ہو شیار باش۔۔۔

"میرے شوہر تو دوسری شادی کر چکے ہیں کب کی۔ لیکن مجھے کوئی دکھ نہیں۔ بلکہ مجھے تو وہ پیاری سی لڑکی بھی بے حد عزیز ہے جو اب مجھ سے بھی جڑی ہے کسی نہ کسی طرح" وہ راز داری سے بولی اور عرف کا چہرہ زرد پڑنے لگا۔ عارفین نے دیوار کا سہارا لیا۔ سندرے کا تو آج موڈ ہی کچھ اور تھا۔ ہمیشہ سے قطعی مختلف۔۔۔

"مطلب یہ موصوف کی تیسری شادی ہے؟" عرف کے منہ سے پھسل گیا۔

"تیسری شادی۔۔۔ کون سی شادی" سندرے انجان بنی۔

"نہیں نہیں۔۔۔ بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا۔" عرف نے فوراً بات بنائی۔

"اوہ۔۔۔ خیر میں بتا رہی تھی اپنے شوہر سے جب تمہیں محبت ہو جائے گی تو سب کچھ ایکسپیکٹ ہو جائے گا۔ اور پھر اسلام نے تو اسی چیز کو سراہا ہے۔ پھر ہوتا وہی ہے جو رب چاہتا ہے۔ تو ہم بندے کیوں نہ راضی ہوں اس کی رضا پہ۔ چلو اب کھانا کھا لو۔ شوہر سے ناراضگی ہے ناں کھانے سے تو نہیں۔ کھا لو پلیز" اس نے معصومیت سے کہا تو عرف نے بھی سر ہلا کے کھانا شروع کر دیا۔

"اچھا اب کچھ اپنے بارے میں بتاؤ" سندرے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ دونوں اب پرانی دوستوں کی طرح اپنی زندگی ایک دوسرے کا سنار ہیں تھیں۔۔۔ عارفین بھی کچھ پرسکون ہوا۔

☆.....☆.....☆

داجی کی موت کے بعد وہ مسلسل بے آرام رہی تھی۔ اوپر سے یہاں آ کے ملنے والا دھچکا۔ سندرے نے اسے عارفین کے کہنے پہ سکون آور دوا دے دی تھی جس کے نتیجے میں وہ جلد ہی پرسکون ہو گئی تھی۔ اچھی طرح اس کے سونے کا اطمینان کرنے کے بعد وہ آہستگی سے کمرے سے نکل آئی تھی۔ برتن کچن میں رکھ کے وہ کمرے میں آئی تو سامنے کے منظر نے اس کے یا قوتی لبوں پہ پیاری سی مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ دونوں بچے عارفین کے بازوؤں میں پناہ لئے سکون کی نیند سو رہے تھے۔ عارفین ٹیک لگا کے لیٹا تھا۔ وہ شاید اس کا انتظار کرتے کرتے نیند سے ہار گیا تھا۔ سندرے نے اسے سی کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے انہیں کمبل اوڑھنا چاہا کہ عارفین نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔

"اوہو۔۔۔" اسے جاگتا دیکھ کے سندرے کی سنہری آنکھوں میں تاسف جاگا۔

"میں نے آپ کو جگادیا" وہ پشیمان تھی۔

"اس میں ایسی کیا بات ہے" وہ بچوں کو نیچے لٹاتا پائنتی کی طرف سے اس کے قریب آ گیا۔ وہ بھی وہیں کونے پہ بیٹھ گئی۔

"عرف سو گئی؟"

"ہاں خان۔۔ تھکی تھی بہت اور پریشان بھی۔ لیکن مجھے لگتا ہے خان وہ آپ سے بہت ناراض ہے" اس نے صاف گوئی سے کہا۔
 "اب ہر عورت سندرے تو نہیں ہو سکتی ناں۔۔ پھر عرف کا قصور بھی نہیں ہے۔ سچ کہوں تو میں خود بھی اس کے لئے نہ تیار تھا نہ
 ہی یہ سب چاہتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے عرف کو دیکھتے ہی میں بے بس ہو گیا تھا دل کے ہاتھوں۔ مجھے اس کی چاہ ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی میں اپنی
 اور اس کی زندگی ایسے مشکل نہیں کرنا چاہتا تھا"

وہ بے بسی سے بولا۔ اس کی بے بسی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔

"ایک بات کہوں خان۔۔ مجھے نہیں لگتا کچھ بھی غلط ہوا ہو۔ اللہ پاک ہمارے لیے بہترین ہی کرتے ہیں۔ قسمت کو دوش دینا تو
 ناشکری ہے۔ پھر عرف بہت سمجھدار ہے۔ مجھے لگتا ہے اسے کچھ وقت لگے گا لیکن وہ فیصلہ ہمارے ہی حق میں دے گی" اس نے مضبوط لہجے
 میں کہا تھا۔ عارفین نے محبت سے اسے دیکھا تھا۔ جس کی ہر بات تو اور میں پہ نہیں تم اور ہمارے پہ ختم ہوتی تھی۔ نہ وہ خود کو اس سے جدا سمجھتی
 تھی نہ اسے خود سے جدا سمجھنے دیتی تھی۔ اور یہی تو اس کی خوبی تھی۔ وہ واقعی سندرہ تھی۔۔

ملوک کی وادیوں میں بستے آبشاروں کا سریلانغمہ۔۔۔۔

"آپ ابھی اسے میرے لئے روک لیں خان۔ میری طبیعت عجیب گری گری سی رہتی ہے۔ اکیلے بہت دل گھبراتا ہے۔ آپ
 کے جانے کے بعد اور پریشان ہو جاتی ہوں۔ عرف سے میں نے بھی منت کی ہے کہ وہ اس بے بی تک میرے پاس رہ جائے۔ پھر بے
 شک جہاں جانا ہے اسے وہاں چلی جائے۔ وہ کچھ دن بھی میرے پاس رہ لی ناں خان تو اس کا دل ضرور بدل جائے گا۔ اور ہاں خان اسے
 یہ مت بتانا کہ میں بھی آپ دونوں کا رشتہ جانتی ہوں۔ ورنہ وہ پھر مجھ سے بھی شاید دوستی نہ کر پائے گی۔" وہ سر ہلا گیا
 "اچھا خان اب آپ سو جائیں" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عارفین نے بے تابی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
 "تم کہاں۔۔؟" وہ حیران تھا۔۔

"عرف کے ساتھ رہوں گی۔ نئی جگہ ہے اس کے لئے۔ کچھ ضرورت پر جائے یا خوفزدہ ہو گئی کسی چیز سے تو۔۔ ایسے تو اچھا نہیں
 لگے گا ناں"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے" وہ اداس ہوا۔

"شب بخیر خان"

"شب بخیر زندگی" عارفین نے اس کا خوبصورت ہاتھ پہ لب رکھ دئے تھے۔۔

☆.....☆.....☆

"مجھے پشاور جانا ہے عارفین۔ اور اس موضوع پہ مزید کوئی بات نہیں۔" ناشتے کے بعد وہ ان کے گھر کی کھلی چھت پہ آئی تو عارفین اس کے پیچھے آگیا۔ عرف سے اسے اسی فیصلے کی توقع تھی۔

"ذرا سی تو مہلت دو مجھے عرف کہ میں سب سلجھا سکوں"

"مہلت۔۔ تیسری شادی ہے یہ تمہاری۔ چوتھی کی بھی دے دوں تمہیں مہلت۔۔۔" وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

"سوری عارفین خان میرا دل سندرے کی طرح بڑا نہیں۔"

"وہ مذاق کر رہی تھی یار۔ تاکہ تمہارا دکھ کچھ ہلکا ہو۔ تم اور سندرے بس یہی دو بیویاں ہیں میری" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں۔۔ پوری بستی نکال کے کیسے تم فخر سے بتا رہے ہو بس تم دو بیویاں ہو میری" بات کے آخر میں وہ اس کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے بولی تھی۔ عارفین نے فوراً کھلا منہ بند کر لیا۔ وہ اب دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

"ابھی بھی دیر نہیں ہوئی عارفین۔ سندرے ہمارے رشتے سے ابھی بھی ناواقف ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے اتنی پیاری

لڑکی سفر کرے۔ اسی لئے اچھا ہے ہم جتنا جلد اپنی راہیں الگ کر لیں۔ تم بس کسی طرح مجھے پشاور بھجوادو" وہ فیصلہ سنا گئی۔

"پشاور اکیلے کیسے بھیجوں اب تمہیں۔ جبکہ مجھے بھی پرسوں تک وزیرستان کے لئے نکل جانا ہے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ میں وہاں اکیلے رہ سکتی ہوں۔"

"سوری۔۔ میں یہ تو ہرگز نہیں کر سکتا"

"تو پھر مجھے اسفند یار لالا کے پاس گاؤں چھوڑ دو۔ میں وہاں رہ لوں گی اور پھر مجھے اپنے سکول پہ بھی کام کرنا ہے"

"سبحان نے اسفند لالا کو خود کش دھماکہ میں شہید کروادیا عرف اور اب خود بھی سزائے موت پہ ہے" اس نے کچھ سوچتے ہوئے

سچ بتا دیا تھا۔ عرف کو زور سے چکر آیا تھا۔ خود کو گرنے سے بچانے کے لئے اس نے فوراً عارفین کا بازو تھاما تھا۔

"اسفند یار لالا" اس کے لبوں سے کراہ سی نکلی تھی۔

"تبھی کہہ رہا ہوں عرف۔ سب کچھ اب بہت بدل چکا ہے۔ تم پلیز یہاں رک جاؤ" وہ منت پہ اتر آیا تھا۔

"ورنہ مجھے تمہاری طرف سے فکر ہے گی عرف اور میں اپنا مشن بھی نہیں پورا کر پاؤں گا"

"میرے مقدّر میں جو بھی لکھا ہے وہ میں نے خود کاٹنا ہے۔ تم میرے ساتھ رہ کر بھی بھلا کیا کر لو گے عارفین"۔۔۔ وہ کج ادائی پہ اتر

آئی تھی۔ عارفین نے جذبے لٹاتی نظروں کو یکسر نظر انداز کر کے۔

عارفین نے کچھ دیر محبت سے اسے دیکھا تھا۔

پھر دھیرے دھیرے چلتا اس کے قریب آگیا۔

عرف جواب کی منتظر تھی۔ نظریں اس کے ہونٹوں پہ جمی تھیں۔
تبھی لب والے ہوئے۔۔

"کچھ بھی تو نہیں کر سکتا" وہ دھیمے سے مسکرایا

"بس تمہارے لئے جان دے سکتا ہوں" عرف کی سانس رک سی گئی۔ وہ ایسا کر بھی تو چکا تھا۔۔ وہ بھلا اس کی اس بات کو کیسے جھٹلا سکتی تھی۔ عارفین دو قدم پیچھے ہوا تھا۔ پھر اسے سلیوٹ مارتا نیچے چلا گیا تھا۔ وہ بت بنی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

عرف نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ڈیلپوری تک سندرے کے ساتھ رہے گی۔ اس کے فیصلے پہ نہ صرف سندرے اور عارفین بلکہ بچے بھی خوب خوش تھے۔ عارفین کے جانے کا وقت آیا تو نہ جانے کیوں وہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔ وہ اس سے سخت ناراض تھی اور دل تھا کہ اسی کی سائیڈ لے رہا تھا۔۔

"لگتا ہے تمہیں بھی مجھ سے محبت ہونے لگی ہے۔"

"عرف امان کبھی دھوکہ دینے والوں سے محبت نہیں کرتی" وہ منہ بنا گئی۔

"یہ تو سندرے کی حالت کا خیال کرتے ہوئے میں یہاں تک آ گئی ورنہ" اس نے بہانہ گھڑا۔۔ عارفین مسکرا دیا۔

"بعض اوقات وہ سچ نہیں ہوتا عرف جو ہمیں نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی منظر کے پیچھے بھی منظر ہوتا ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ضرور ہوتا ہے مگر اصل حقیقت وہی ہوتا ہے۔ اور عارفین شاہ محمود کو یہ یقین ہے جب عرف امان اس حقیقت کو پالے گی تو وہ بھی اسے دیوانہ وارا ایسے ہی ڈھونڈے گی جتنا دیوانہ وار وہ اسے چاہتا ہے" اپنی بات مکمل کر کے وہ اس کے قریب آیا تھا۔ پھر اپنا ہاتھ یوں آگے بڑھایا جیسے اسے چھونا چاہتا ہو۔ وہ تیزی سے پیچھے ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ ہوا میں ہی ٹھہر گیا تھا۔

وہ مسکرایا اور ہمیشہ کی طرح اسے سلیوٹ کیا اور باہر نکل گیا۔ کچھ تو تھا کہ عرف کے دل کی دھڑکن اس کے بوٹوں کی دھمک سے زیادہ ہونے لگی تھی۔۔

عارفین کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر بچوں اور سندرے کے ساتھ کافی مصروف رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا۔ سندرے بے حد حسین تھی۔ اس کی خوبصورت غلائی آنکھیں اسے اس قدر دلکش بنا دیتی تھیں شاید اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ اس کے یا تو قی لب اس کی سرخ و سپید رنگت پہ اور بھی پیارے لگتے تھے۔ مسکراہٹ بھی شاید اس کے حسن کا حصہ تھی۔ کیونکہ اس پورے وقت میں اس نے سندرے کے ہونٹوں سے اسے جدا ہوتا نہیں دیکھا تھا۔

اسے حیرت تھی عارفین اس قدر خوبصورت بیوی کے باوجود کیونکر اس کی محبت میں گرفتار ہوا ہوگا۔۔

لیکن یہ ایک حقیقت تھی وہ بھی تسلیم کر چکی تھی۔ اس نے خود عارفین کی نظروں میں اپنے لئے جو رنگ دیکھے تھے وہی رنگ سندرے کو دیکھتے وقت بھی واضح تھے۔ لیکن ہاں ان میں عقیدت کی لہک بھی تھی۔

"ایک مرد و عورتوں سے محبت کیسے کر سکتا ہے؟"

سندرے بچوں کو سلا کے کچن میں گئی تو وہ ان کے کمرے کی ٹیرس پہ آگئی۔ فراغت پاتے ہی ذہن کشش میں گھر گیا۔

"دوسری شادی گناہ تو نہیں۔۔۔ میں تو خود خان سے کئی بار کہہ چکی ہوں اسے یہاں لے آئے۔ ہم مل کے رہیں گی۔" اسے رات سندرے کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"اللہ اور رسول کا بھی تو یہی حکم ہے۔ پھر میں تو اس بات کو دل سے تسلیم کرتی ہوں"

سندرے بھی صحیح تھی۔ لیکن اس کا دل اتنا بڑا نہیں تھا۔ ہاں مگر یہ تھا کہ اسے سندرے پہ غصہ یا کوئی نفرت نہیں تھی۔ وہ اسے بے حد اچھی لگی تھی۔ معصوم اور بے غرض سی۔۔

"تم یہاں آگئی اور میں تمہیں تمہارے کمرے میں ڈھونڈ رہی تھی؟" چائے کا کپ اسے تھمتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ کمرے میں وہ نظر نہیں آئی تو وہ اسے باہر ڈھونڈنے نکل گئی پھر ٹیرس کا خیال آیا تو واپس آئی۔ عرف وہیں تھی۔

"بس ایسے ہی۔ باہر کا نظارہ دیکھنا چاہتی تھی"

عرف نے دور سرمئی ٹوٹی پھوٹی پہاڑی کو تکتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں سندرے؟" اس نے اجازت مانگی۔

"ضرور" سندرے کھڑی نہیں رہ پارہی تھی تبھی پاس پڑی آرام چنیر پہ بیٹھ گئی۔ عرف نے گرل سے کمر ٹکادی۔

"تمہیں عارفین کی دوسری شادی کا سن کرو واقعی دکھ نہیں ہوا تھا۔"

"بالکل بھی نہیں" وہ فوراً سرفنی میں ہلا گئی۔

"پتہ ہے عرف۔۔۔ میرا تعلق جس قبیلے سے ہے وہاں لڑکیاں ساری عمر یا تو بھائیوں کی وری (شادی کے کپڑے زیور) پہ گولٹ کناری ٹانگتی رہ جاتی ہیں، یا پھر حویلی کی اونچی لال دیواریں انہیں نگل جاتی ہیں۔ حویلی کے کنویں کی منڈیر سے ہمیشہ انہی لڑکیوں کے پیر پھسل جاتے ہیں کوئی خان وزیر محسود کبھی نہیں پھسلتا۔ پھسل بھی جائے تو بچا لیا جاتا ہے۔

یا پھر ساری عمر اپنے بڑھتے سفید بال گنتے اور دوپٹے میں چھپاتے گزار دیتی ہیں وہ لڑکیاں۔۔۔" عرف نے دیکھا سندرے

کی پلکیں بھینکے لگیں تھیں۔ اس نے چائے کا کپ بھی سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا تھا۔ یوں جیسے اور گھونٹ بھرنے کی ہمت نہ ہو۔

"ہمارے مرد باہر کی عورتوں سے تو جی بہلا لیتے ہیں لیکن گھر کے اندر کی عورتوں کے احساسات اور جذبات سے ان کو کچھ لینا دینا

نہیں ہوتا۔ ورنہ عورت تو وہ دیوی ہے کہ نکاح کے صرف تین بول، بول کے بھی ساری عمر دان کر سکتی ہے۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ نکاح کے وہ دو بول بھی ان مردوں کو گوارا نہیں ہوتے کہ پھر جائیداد تقسیم کرنی پڑتی ہے۔۔۔ آج میرے گاؤں میں ہر دوسری لڑکی اپنے گھر کی بنیاد کے لئے ترس رہی ہے۔ میں خوش قسمت تھی کہ مجھے عارفین شاہ محمود ملا۔ اور اسی لئے میں خوش ہوں کہ اس دوسری لڑکی کو بھی خان حبیباشو ہر ملا۔ ورنہ یقین کرو آج کے دور میں چادر کھینچنے والے بہت ہیں۔ اپنے بھی۔۔۔ پرائے بھی۔۔۔ لیکن سر ڈھکنے والے بہت کم "اس نے کہتے ہوئے آنکھوں کی نمی صاف کی تھی۔ اور عرف اس کی بات پہ کئی سال پیچھے اپنی حویلی میں پہنچ گئی تھی۔ جہاں اپنے لالا اس کی عزت کے بھوکے ہو گئے تھے۔ اور ادھر عارفین تھا جس نے جائز حقوق رکھتے ہوئے بھی اسے چھونے کی کوشش تک نہ کی تھی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں تھیں۔

"لیکن خیر تم پریشان نہ ہو میری وجہ سے۔ خان بتا رہے تھے تم سکول کھولنا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔۔۔ اور تم سب کے ساتھ تو میں بھول ہی گئی کہ ابھی مجھے بہت سارا کام کرنا ہے"

"میں نے تمہارا سامان سیٹ کر دیا تھا صبح۔ تم جاؤ آرام سے کام کرو۔ میں کھانا بنا کے ادھر ہی لے آؤں گی" سندرے نے کہا تو

عرف مسکرا دی۔

"تمہیں نہیں لگتا تمہیں آرام کی ضرورت ہے؟" اس کے چہرے میں گھلتی زردی اس کی کمزوری ظاہر کر رہی تھی۔

"ہم لوگ آرام کہاں کرتے ہیں۔ ہم تو ایسے ہی کام کاج کے عادی ہوتے ہیں۔"

"پھر بھی آج سے کھانا میں بنالوں گی۔ بلکہ باقی کام بھی میں کر لوں گی۔ تمہاری حالت ایسی نہیں کہ اب اتنے بھاری کام کرو"

"ارے نہیں نہیں۔ میں ٹھیک ہوں" وہ اٹھنے لگی۔

"سندرے۔۔۔ یہاں کافی گرمی ہے چلو تم اندر آرام کرو۔ کھانا تیار ہو جائے گا تو میں تمہیں بلانے آ جاؤں گی۔ اور خبردار جواب

کسی کام کو ہاتھ لگایا ہو۔" عرف نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔ وہ تیزی سے ویسے ہی سر ہلا گئی جیسے اکثر عارفین کے کہنے پہ ہلاتی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

کھانا بنانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو سندرے بھی سوچکی تھی۔ کے پی کے کی دوپہر بارش کے موسم میں بھی سنہری ہوتی ہیں

اور لوگوں پہ نشہ ساطاری کر دیتی ہیں۔ جتنے بھی جتن کر لو آنکھیں بند ضرور ہوتی ہیں۔ کم سہی لیکن پرسکون سی نیند آپکو ہلکا پھلکا کر دیتی ہے۔

اسے بھی نیند آ رہی تھی۔ لیکن وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور لیپ ٹاپ اٹھا کے بیڈ پہ لیٹ گئی۔

عارفین نے اسے کچھ ویڈیوز میل کیں تھیں وہ انہیں چیک کرنے لگی۔

ان میں اس کی زمین اور انکے کاغذات کے بارے میں تفصیلات تھیں ساتھ ایک ویڈیو بھی تھی جو اس کے سکول کی زیر تعمیر عمارت

کی تھی۔ اس نے جلدی سے وہ ویڈیو اپن کی۔

عمارت کی بنیاد کھڑی ہو چکی تھی۔ اور فی الحال سب کچھ واقعی اس کی پسند کے مطابق تھا۔ مطلب عارفین اپنی ٹھٹھ ترین ڈیوٹی کے باوجود اس کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔

"تھینک یو" اس نے ٹائپ کر کے سینڈ کر دیا اور لیپ ٹاپ پہ مزید سٹرکچر سرچ کرنے لگی۔ ابھی اسے لائننگ میٹیریل، وال روف اور فلور میٹیریل بھی فائنل کرنا تھا۔ تکیے سے ٹیک لگائے اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا اور وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس رات کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں دیر تک بچوں کے ساتھ پچھلے لان میں رہیں۔ ٹھنڈی ہوائ نے جلد ہی بچوں کو سونے پہ مجبور کیا تو وہ انہیں لئے کمرے میں آ گئیں۔

"تم بھی ہمارے ساتھ سو جاؤ ناں" وہ سندرے کو بچوں کے ساتھ مصروف دیکھ کے جانے لگی تو سندرے نے اسے پکارا۔
 "نئی جگہ ہے ناں اور آج خان بھی نہیں ہیں۔ ورنہ تم ان کی مہمان ہو وہ خیال رکھتے۔ میری حالت تو ایسی ہے کہ ابھی لیٹوں گی تو فجر کے وقت ہی آنکھ کھلے گی۔ یہاں تم بھی آرام سے رہو گی میں بھی بے فکر ہو کے سولوں گی" سندرے کی بات پہ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اثبات میں سر ہلادیا۔

"تم اس طرف آ جاؤ۔ وہ جگہ خان کی ہے۔ میں کبھی خان کی جگہ پہ نہیں سوتی۔ مجھے لگتا ہے یہ بے ادبی ہے"

"پھر میں کیسے؟" وہ ہچکچائی

"تم تو مہمان ہو اور مہمان تو نعمت ہوتے ہیں ناں۔ سارا گھر ان سے بابرکت ہو جاتا ہے" وہ مسکرا دی تھی۔

سندرے واقعی کچھ دیر میں سو گئی تھی۔ اور عارفین کے سر ہانے پہ سر رکھے عرف کو نہ جانے کیوں ساری رات عارفین کی خوشبو بنگ کرتی رہی تھی۔ اسے اپنے آس پاس محسوس کرتی وہ بے بس سی ہونے لگی تھی۔ نیند روٹھ سی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب سندرے اچانک بہت زور سے چیخی تھی۔ عرف جاگ رہی تھی۔ تبھی تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی۔

"سندرے کیا ہوا سندرے؟" وہ بے حال ہوتی سندرے کو سنہجالتے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔ اس کی حالت خراب تھی۔ ٹھنڈے پسینے آرہے تھے اسے اور بار بار درد سے دہری ہو جاتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اپنی ماں کا چہرہ سامنے لگا۔ جب سدیس اس کی دنیا میں آیا تھا۔

"کیا پہلے بھی تمہیں ایسے ہی تکلیف ہوتی رہی۔۔۔ م۔ میرا مطلب ڈیلیوری کے وقت؟؟" اس نے جلدی سے پوچھا
 "نن۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں" وہ بول بھی نہیں پار رہی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ۔ یہ تو بالکل نیا شہر ہے میرے لئے۔ یہاں میں کس سے مدد مانگوں" وہ سندرے کو سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے اس کی کمر سہلانے لگی۔ سندرے کو سکوں سا محسوس ہوا تھا۔ اس کی آنکھ لگ چکی تھی۔ اس وقفے کو عرف نے غنیمت جانا تھا اور تیزی سے دوسری طرف سر ہانے کے قریب پڑا موبائل دایاں ہاتھ بڑھا کے اٹھالیا۔ سندرے ابھی تک اس کے وجود سے لگی بیٹھی تھی۔ اس نے فوراً عارفین کا نمبر ملایا۔ نمبر بند تھا۔ مطلب وہ کہیں اہم جگہ بڑی تھا۔ ورنہ وہ کبھی فون بند نہیں کرتا تھا۔ عرف جانتی تھی۔ یہ اور پریشانی کی بات تھی۔ لیکن وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ جو بھی کرنا تھا اسے ہی کرنا تھا۔ اس نے فوراً ڈیٹا آن کر لیا اور گوگل پہ بنوں سی ایم ایچ کی معلومات لینے لگی۔ کچھ سیکنڈز کے اندر ہی وہ ایمرجنسی نمبر حاصل کر چکی تھی۔ اس نے فوراً کال ملائی اور میجر عارفین کی تفصیلات دے کر ان سے مدد کی اپیل کی۔ خوش قسمتی سے اس وقت عارفین کا قریبی دوست کاؤنٹر کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔ فون پہ بات کرنے والے کے منہ سے۔ میجر عارفین کا نام سن کر اس نے فون اس سے لے لیا۔

"کیپٹن حارث ہنیر۔۔ بھابی ہیں؟" وہ اسے شاید سندرے سمجھ رہا تھا۔

"سر میں گیٹ ہوں ان کی۔ سندرے بے ہوش ہو گئی ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ پلیز آپ کچھ ہیلپ کریں" وہ حقیقی معنوں میں پریشان ہوا تھا۔

"مس پلیز ڈونٹ وری۔ ہم چند منٹوں میں آپ کو اپروچ کر رہے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اس کا تسلی بخش جواب سن کر عرف نے کال ختم کر لی تھی۔ سندرے ایک بار پھر کراہنے لگی تھی۔ عرف تیزی سے بچوں کو جگانے لگی۔ گھر میں ان کے علاوہ صرف کا کا تھے اور وہ ان دونوں کو وہاں چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔۔

☆.....☆.....☆

ایسوی لینس کا چیخنا سائرین اس کے اعصاب چٹخائے دے رہا تھا۔ دونوں معصوم پھول سیٹ پہ لیٹتے ہی دوبارہ گہری نیند میں ڈوب چکے تھے۔ سندرے کی حالت غیر تھی۔ نرس نے اسے ڈرپ لگا دی تھی۔ اور مسلسل اس کا پی چیک کر رہی تھی۔ حیران کن طور پہ بالکل اچانک ہی نہ صرف اس کا پی بڑھ گیا تھا بلکہ بخار بھی تیز ہوتا جا رہا تھا۔ جبکہ سونے سے پہلے وہ بالکل فریش سوئی تھی۔ عرف مسلسل اس کے ساتھ لگی اسے تسلی دے رہی تھی۔

عارفین کے وہ دوست نرس کے ساتھ فون پہ مسلسل رابطے پہ تھے اور بار بار اس کی حالت معلوم کر رہے تھے۔ ادھر خود عرف کئی بار عارفین کا نمبر ڈائل کر چکی تھی لیکن اس کا نمبر مسلسل آف مل رہا تھا۔

وہ سندرے کے ہاتھ ملتی۔ پھر اس کے گال تھپتھپاتی۔ اس کی پلکیں بھگینے لگیں تھیں۔

"یا اللہ پاک۔۔ یہ کیسی آزمائش ہے۔۔ میں نے اس کے خلاف تو کچھ نہیں سوچا میرے رب، میں تو عارفین سے غصہ تھی۔ پھر

اس کی اس قدر تکلیف مجھے کیوں دکھا رہا ہے۔ اللہ پاک رحم فرمادے۔ یہ تو سادہ لوح لڑکی ہے۔ اس جیسی مخلص لڑکی کو سلامت رکھنا میرے رب "دل ہی دل میں دعا کرتے ہوئے وہ خاموشی سے رو دی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایسبولینس رکتے ہی وارڈ بوائز نے درد سے تڑپتی سندرے کو باہر نکالا تھا اور سٹریچر پہ اندر لے گئے۔ وہ نرس کی مدد سے بچوں کو سنبھالے بڑی مشکل سے وہاں تک آئی تھی۔

"انہیں پلیز سامنے فرسٹ کلاس وارڈ میں بیڈ پہ سلا دیں" نرس نے بچی کو تھامے تھامے اسے بھی اشارہ کیا۔

"لیکن۔۔۔" وہ اس کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہچکچائیں جہاں ابھی سندرے کو لے کے گئے تھے۔

"آجائیں۔ یہاں اکیڈ بھی سونیں گے تو کوئی خطرہ نہیں۔ ویسے بھی یہ روم کیپٹن حارث آپ لوگوں کے لئے ریزرو کروا چکے ہیں"

"اوہ" وہ مطمئن ہوتی اس کے پیچھے کمرے میں آگئی۔ بچوں کو اطمینان سے سلانے کے بعد وہ فوراً باہر آئی تھی۔ تبھی ڈاکٹر باہر آئی تھی۔

"پیشینٹ کے ساتھ آپ ہیں؟" انہوں نے عرف پہ نظر پڑتے ہی پوچھا۔ وہ سر ہلا پائی۔

"ان کی حالت کافی سیریس ہے۔ آپ ان کی۔۔۔ وہ بتاتے ہوئے پوچھنے بھی لگی۔ عرف کو ایک دم جھٹکا سا لگا تھا۔

"وہ میری۔۔۔" اسے لفظ نہیں مل پارہا تھا کہ کیا نام دے کر بتائے ڈاکٹر کو اس کا اور اپنا رشتہ۔۔۔

"مجھے تو بہت پیاری ہے وہ بنا دیکھے ہی۔ قسم سے آجائے بڑی بہن کی طرح اس کا خیال رکھوں گی" اور سندرے کی مسکراتی آواز

نے جیسے ایکدم رشتہ جتایا تھا۔

"وہ میری بڑی بہن ہیں"

"اوہ سیڈ۔۔۔ خیر اللہ سے اچھے کی امید رکھیں۔ ہم انہیں آپریشن تھیٹر شفٹ کر رہے ہیں۔ آپ پلیز دعا کریں" وہ اسے تسلی دیتی

آگے بڑھ گئیں۔ عرف گرنے کے سے انداز میں وہیں رکھے پنچ پہ گرسی گئی۔۔۔

☆.....☆.....☆

خود کو کمپوز کر کے وہ بمشکل اندر کمرے میں آئی تو سندرے اب کچھ پرسکون تھی۔ اس کے چہرے پہ آکسیجن ماسک چڑھا تھا۔ ادھ

کھلی آنکھیں جیسے خلاء میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

وہ آنکھیں صاف کرتی دھیرے دھیرے چلتی اس کے پاس آگئی۔

"سندرے۔۔۔" اس نے دھیرے سے تو پکارا تو سندرے نے فوراً نظریں اس کی طرف موڑ لیں۔۔۔

"عرف۔۔۔" وہ بمشکل بر بڑائی تھی۔ عرف نے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھام لیا جو اس نے اسے پکارتے ہوئے آگے بڑھایا تھا۔

"خ۔خ۔خ۔ خان" اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ عرف کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

"تم فکر نہ کرو سندرے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خان بھی آجائیں گے۔ کیپٹن حارث انہیں کنٹیکٹ کرنے کی مسلسل کوشش کر رہے ہیں"

"عرف۔خ۔خ۔ خان کا خیال رکھنا۔ بچ۔۔۔ بچوں۔ کک۔۔۔ کا خیال رکھنا۔" وہ اب عرف کی طرف نہیں دیکھ پارہی تھی۔ نہ جانے کیوں عرف کو لگا اس کی آنکھوں کی روشنی مدھم پڑنے لگی تھی۔

"سندرے" وہ اسکے گال تھپتھا گئی۔ اور سہارا دے کر اپنے ساتھ لگایا۔

"خ۔خ۔ خان" اس کے لب لبس ذرا سا بلے اور عرف جیسے ہارسی گئی۔۔

"ڈاکٹر" اسے سینے سے لگاتے ہوئے وہ چلا اٹھی تھی۔۔۔

☆.....☆.....☆

سندرے کو آپریشن تھیر لے گئے تھے۔ بچے جاگ اٹھے تھے۔ کیپٹن حارث اپنی بیوی کو بھی عرف کی ہیلپ کے لئے لے آئے

تھے۔ بچے جاگ چکے تھے۔ کیپٹن کی مسز سے وہ خاصے مانوس تھے۔ وہ انہیں ناشتہ وغیرہ کروانے لگی تو وہ دوبارہ سے عارفین کا نمبر ملانے لگی۔ نمبر اس بار آن تھا۔ عرف کا دل زور زور سے دھڑکا۔

"السلام علیکم" تھکی تھکی سی آواز میں بھی بیزاری نہیں تھی۔ محبت تھی۔۔ سرشاری تھی۔

"ع۔۔۔ ع۔۔۔ عارفین"۔ وہ جو کب سے خود کو مضبوط بنانے کی کوشش میں لگی تھی۔ ایک لمحے میں بکھری گئی تھی۔ دوسری

طرف عارفین اس طرح کی کسی بھی سچویشن کے لئے تیار نہ تھا۔ گھبرا سا گیا۔

"کیا ہوا عرف۔۔؟" وہ روتی رہی۔

"عرف! کیا ہوا ہے یار۔۔ سندرے تو ٹھیک ہے؟؟" عارفین کی روح جیسے نکلنے کو تھی۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے عارفین" وہ سسکی۔ عارفین کا جیسے سارا وجود پتھر کا ہو گیا۔

"اسے بچالو عارفین۔ وہ بہت بیمار ہے۔ پلیز اسے بچالو۔ میں اسے اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی" وہ بے تحاشہ رو بھی رہی تھی۔

بول بھی رہی تھی۔

"اور ابھی تو اس نے میرے اور تمہارے رشتے کو بھی نہیں جانا، ہمیں معاف بھی نہیں کیا عارفین۔۔ پلیز تم یہاں آ جاؤ۔ مجھے

بہت ڈر لگ رہا ہے اکیلے"

"تم حوصلہ رکھو عرف۔ یہ بتاؤ ابھی ہو کہاں تم دونوں" اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے اسے بھی تسلی دی۔ جواب میں عرف نے

ساری بات بتادی۔

"او کے میں بس ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچتا ہوں۔ تم مجھ سے رابطے میں رہنا۔ اور پلیز گھبرانا نہیں اوکے" اس نے تسلی چاہی۔
 "نہم" وہ سسک کے رہ گئی اور کال بند کر دی۔ تاریک رات ڈھلنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

کیپٹن حارث نہ ہوتے تو وہ بہت بڑی مشکل میں پڑ سکتی تھی۔ جس چیز کی بھی ضرورت پڑی انہوں نے ایک بھائی کی طرح ہر چیز کا انتظام کیا۔ سندرے کو خون کی ضرورت پڑی تب بھی مسئلہ نہیں ہوا۔ عرف سندرے کے آپریشن تک سارا وقت بچوں کو لے کر آپریشن تھیٹر کے سامنے ہی رہی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد نرس باہر آئی تھی اور سفید کپڑے میں لپٹا ننھا سا روئی کا نرم سا گولہ اس کے ہاتھوں میں تھما نے لگی تھی۔ اس نے حیرت سے پہلے نرس کو دیکھا تھا پھر اس کے ہاتھوں میں موجود وہ ننھا سا وجود۔۔۔ مسز حارث عرف گوگم صم ٹھہرا دیکھ کے تیزی سے بچہ تھامنے آگے کو ہوئیں لیکن حارث نے ان کا کندھا تھام کے انہیں کسی بھی پیش قدمی سے روک دیا۔ وہ عرف عارفین اور سندرے کی تکیوں سے واقف تھے یہی عرف کو سب کچھ خود سوچنے اور سمجھنے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ بچے پاؤں اٹھا کے شوق سے اس کے ہاتھ میں تھامے بچے کو دیکھنے کے امیدوار ہوئے۔

"مبارک ہو! آپ کی بہن کے بیٹا ہوا ہے۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن" عرف نے ٹرپ کے پوچھا تھا۔ ننھے وجود پہ اس کی گرفت اور مضبوط ہوئی تھی۔

"لیکن لڑکی کی کنڈیشن بہت خراب ہے ابھی۔ انفیکشن ہو گیا تھا اور بروقت یہاں لانے پہ بے بی کی جان تو بچالی ہم نے لیکن ماں کے بارے میں ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ شاید۔۔۔ شاید وہ اب کبھی دوبارہ ماں نہ بن سکیں" وہ تفصیل بتا کے ایک طرف بڑھ گئی۔ عرف کرنے کے سے انداز میں بچہ پیٹھ گئی۔ بچے اب محبت سے بچے کو دیکھ رہے تھے۔ عرف کی نظریں بھی اسی پہ جمی تھیں۔

تبھی حارث نے عارفین کو آتے دیکھا تھا۔ اور فوراً بیوی کو اشارہ کیا کہ وہ بچوں کو لے جائے وہ فوراً بچوں کو کھانے کا بہانہ دے کر کینیٹین کی طرف لے گئیں۔ حارث نے بھی عارفین کو اشارہ کرتے ہوئے دوستانہ انداز میں عرف کا بتایا اور اسی طرف بڑھ گیا جس طرف بچے گئے تھے۔ عرف آنسوؤں سے ترچہ لے گود میں رکھے اس خوبصورت وجود کو دیکھتی جا رہی تھی۔ جس کی نیلی کٹورا آنکھیں مکمل کھلیں تھیں۔ وہ خاصا صحت مند اور خوبصورت بچہ تھا۔

اور بالکل ایسا ہی بچہ وہ اس سے قبل بھی دیکھ چکی تھی۔

جب وہ نو دس سال کی تھی۔ اسے آج بھی اس نرم روئی جیسے لمس کا احساس ہوتا تھا اپنے ہاتھوں پہ۔ اور اس وقت بالکل ویسا ہی لمس محسوس ہو رہا تھا۔۔۔

"یہ تو بالکل۔۔۔" وہ بولنا چاہتی تھی لیکن بول نہ پائی تھی۔

"سدلیں جیسا ہے۔۔۔۔۔ ہے ناں؟" وہ عین اس کے سامنے زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ وہ چوکی تھی۔

"کیونکہ اس کا نام بھی سدلیں ہی ہے" وہ نم آنکھوں سے مسکرایا۔۔

"سدلیں۔۔۔؟" وہ ناتجہی سے اسے دیکھنے لگی۔

"سندرے سدلیں کے واقعے کے بارے میں جانتی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اگر ہمارا بیٹا ہوا تو ہم اس کا نام سدلیں ہی رکھیں گے" اس کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح سندرے کا ذکر کرتے ہوئے عقیدت تھی۔ عرف کا دل خوش سا ہوا۔ سندرے واقعی اس عقیدت کے قابل تھی۔ لیکن مرد بھلا کب قدر کرتے ہیں۔ یا شاید عام مرد نہیں کرتے۔ اصل مرد تو ہمیشہ یہ مان نہیں ٹوٹے دیتے۔۔۔ عارفین بھی تو ایسا تھا۔ اسے آج واقعی عارفین اور عارفین سے جڑا ہر رشتہ اپنا قیمتی اور پیارا لگ رہا تھا۔۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے عارفین۔۔۔"

"دعا کرو اسے کچھ نہ ہو۔۔۔ میں اس کے حق کے لئے خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گی" بچے کو خود میں بھنپتے ہوئے وہ ایک بار پھر رودی تھی۔

بچہ اب پرسکون ہو کے سوچکا تھا۔

"عرف! عارفین نے اس کا ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے اسے پکارا۔

"وہ سب کچھ جانتی ہے۔" اسے لگا اب اعتراف کا وقت آ گیا تھا۔ مزید دیر نہیں تھی۔ عرف نے حیرت اور صدمے سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا جانتی ہے؟"

"یہی کہ تم عرف امان ہی میری دوسری بیوی ہو۔ میری آخری چاہت" اور عرف کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"ع۔۔۔ عارفین" صدمے سے اس کی آواز گلے میں ہی گھٹ گئی تھی۔

"وہ بے حد خوش تھی تم سے ملنے کے بعد تو اور بھی زیادہ۔" عارفین بتاتا گیا۔

"نہیں عارفین۔۔۔ وہ خوش نہیں تھی تھی تو اس کی یہ حالت ہوئی جبکہ پہلے سبھی بچے بالکل نارمل ہوئے تھے"

"ایسا نہیں ہے عرف۔ میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے۔ ان کے مطابق اسے یورین انفیکشن ہوا تھا جو بہت تیزی سے اندر تک

پھیل گیا تھا۔ چونکہ وہ پریکٹ تھی تو اسے ڈیج بھی زیادہ ہوا۔ اس بات سے اس کا کچھ لینا دینا نہیں"

"نہیں عارفین۔۔۔" وہ بچے کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بتا رہی ہوں اگر سندرے کو کچھ ہوا تو تم بھی عرف امان اور اپنے بچوں کی شکل کو ترسو گے۔ میں تمہارا جینا دو بھر کر دوں گی۔" تنخی سے کہتی وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"توبہ۔۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کچھ بھی ہو جائے اس لڑکی کو کبھی مجھ سے ہمدردی نہیں ہونی۔ ایک بیوی بیمار پڑی ہے دوسری بچے بھی چھیننے کے درپہ ہے۔ تو تو گیا عارفین شاہ محمود" اس نے خود کو سنایا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا کے پاؤں کی قینچی بنا گیا۔ نظریں البتہ آپریشن تھیٹر کے دروازے پہ جمی تھیں جو ابھی تک بند تھا۔۔

☆.....☆.....☆

سندرے کا آپریشن کامیاب ہوا تھا۔ لیکن ابھی بھی اس کی حالت سنبھل نہیں پائی تھی۔ اگلے آٹھ گھنٹے ڈاکٹرز نے اس کی زندگی کے لئے کافی اہم بتائے تھے۔ اسے اگر اس دوران ہوش نہ آتا تو وہ طویل عرصہ کے لئے کومہ میں بھی جاسکتی تھی۔ اسے آئی سی یوشفٹ کر دیا گیا تھا۔۔ عارفین اسے ایک نظر دیکھنے اندر آیا۔ مشینوں کی ٹوں ٹوں کرتی آوازوں میں وہ یوں سکون سے آنکھیں موندیں لیٹی تھی۔ جیسے سوائے سونے کے اور کوئی کام نہ بچا ہو۔ وہ تو کبھی آرام سے ٹک کے نہیں بیٹھی تھی کہاں اس طرح مسلسل بیڈ پہ پڑے رہنا۔ عارفین کی آنکھیں بھگینے لگیں۔ اس کے آنسو اس کے گال بھگونے لگے تھے لیکن اس نے ہرگز انہیں صاف کرنے کی تکلیف نہیں اٹھائی تھی۔ انہیں بہنے دیا تھا۔ سندرے کے خوبصورت مرمریں ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے اس پہ اپنے لب رکھ دئے۔

"سندرے" وہ پکارا۔ سندرے ویسے ہی بے جان رہی۔

"خان آیا ہے تمہارا۔۔ بات نہیں کرو گی مجھ سے" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ کئی لمحے وہ اس کے ہاتھوں پہ لب رکھے یونہی آنسو بہاتا رہا۔

"سر!" اجنبی آواز پہ وہ چونکا اور تیزی سے ہاتھ کی پشت سے چہرہ صاف کر لیا۔

"وہ لڑکی جوان کے ساتھ ہیں ان کا بی پی کافی لو ہو گیا ہے۔ ہم نے انہیں سکون آور دوا دے دی ہے" وہ مزید بتانے لگی۔ عارفین تیزی سے اس کی طرف مڑا۔ زس بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ پلینز کچھ دیر بعد انہیں گھر لے جائیں۔ اس طرح رہیں تو ان کی طبیعت مزید بگڑ سکتی ہے" وہ بس سر ہلا گیا۔ اور زس کے جانے کے بعد کچھ دیر سندرے کو محبت سے دیکھتا رہا۔ پھر لب اس کی پیشانی پہ رکھ دئے۔ کچھ دیر اسی حالت میں رہا، پھر سیدھا ہوا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

جس وقت وہ کمرے میں آیا عرف سو رہی تھی۔ بچے اس کے ساتھ ہی بیڈ پہ بیٹھے تھے۔ حارث کو جانا تھا ڈیوٹی پہ۔ اسی لئے عارفین نے آتے ہی انہیں بے فکر ہو کے جانے کا کہا تھا۔ لیکن اب اسے پریشانی ہو رہی تھی۔

"مجھے بھابی کو روک لینا چاہئے تھا" اس نے خود کلامی کی۔

"کاکی کو بلالوں" اسے سندھ کے کی چچی کا خیال آیا۔

"نہیں۔۔ عرف کو دیکھ کے دس سوال پوچھیں گی۔ عرف ویسے ہی ڈسٹرب ہے اور بکھر جائے گی" اس نے فوراً اپنے ہی خیال کی نفی کی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے عرف کے بے سدھ پڑے وجود پہ چادر ڈالی اور بچوں کو لے کے کینٹین چلا آیا۔ ان کے لئے کھانا اور اپنے لئے چائے آرڈر کر کے وہ ان کے ساتھ بیٹھا مسلسل سندھ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ عرف کو وہ پاچکا تھا۔ لیکن بالکل اسی وقت اسے سندھ کے کوکھونا پڑے گا یہ خیال ہی جان لیا تھا۔ عرف نے اگر زندگی مکمل کی تھی تو سندھ کے بھی اس کی زندگی تھی۔

"یا اللہ یہ کیسی آزمائش ہے۔ دونوں طرف دل کھول دیا میرا۔ من مائل کر دیا تو مجھے نصیب بھی کر۔۔

میں دونوں میں سے کسی ایک کو بھی کھونے کا تصور نہیں کر سکتا میرے رب۔

میرے دل کو یہ لازوال محبتیں بخشی ہیں تو انہیں مجھ سے دور نہ کر۔ میری مدد فرما میرے پاک پروردگار۔ کہ میں ان دونوں سے انصاف کر سکوں۔ اور تیری شریعت کے مطابق ان دونوں کو ساتھ لے کے چل سکوں۔ مجھے ان دونوں کا وصل بخش دے یا رب۔ کہ ہجر ایک کا بھی مجھے برداشت نہیں" اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ پلکیں بار بار بھینکنے لگیں اور وہ بار بار زور سے رگڑتا انہیں صاف کر رہا تھا۔

کھانا کھلا کے وہ بچوں کو کمرے میں لے آیا تھا۔ اے سی کی ٹھنڈک میں وہ دونوں کچھ دیر کھیلتے رہے پھر ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ہی وہیں سو گئے۔ وہ جو عرف کے سر ہانے بیٹھا مسلسل سوچوں میں غرق تھا۔ نہ جانے کب نیند کی پرسکون آغوش نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فیضان خان علاقے کے کچھ بزرگوں کے ساتھ ان سے ملنے آئے تھے۔ وہ اس وقت اپنی خاص بیٹھک میں بیٹھیں علاقے کی عورتوں کے مسائل سن رہیں تھیں۔ انہیں اس بات پہ سخت حیرت ہوئی۔ لیکن پھر سوچتے ہوئے انہوں نے ان سے ملنے کی حامی بھر لی تھی۔ انہوں نے سفید چادر میں خود کو اور سلیقے سے ڈھانپا اور باہر مردان خانے میں آگئیں۔ حویلی کا یہ علاقہ پہلے سحان خان کے استعمال میں رہتا تھا وہ یہاں پہلی بار قدم رکھ رہیں تھیں۔ نہ جانے کیوں اندر قدم رکھتے ہی دکھ کی تیز لہر نے انہی اپنے حصار میں لیا تھا۔

وہ خود پہ ضبط رکھتیں ایک طرف چارستونوں پہ کھڑے برآمدے میں بالکل سامنے والے کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ معززین انہیں اندر آتا دیکھ کے احتراماً کھڑے ہو گئے۔ اور سلام کیا۔

انہوں سر ہلا کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کول بیٹا۔ تم اور تمہارے خاندان کی اس قوم کے لئے خدمت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اسی لئے ہم یہاں کس مقصد کے لئے آئیں ہیں میں وہ بات صاف صاف بیان کر دیتا ہوں۔ میرے خیال میں تم جیسی بہادر اور سمجھدار بچی کے لئے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں" گفتگو کا آغاز خان کا کانے کیا تھا۔ وہ اس علاقے کے سرداروں میں سب سے معمر ترین تھے اور کول ان کے بچوں کی طرح تھی۔

"آپ حکم کریں خان کا کا۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کی بات کو اچھی طرح سمجھوں اور اس پہ پورا بھی اتر سکوں" وہ ہمیشہ کی طرح مؤدب لہجے میں بولیں۔

"فیضان خان۔ تم ان کو جانتی ہی ہو۔ کئی سال سے اس نے ہمارے حلقے سے الیکشن ہارنے کے باوجود بھی ہمارے علاقے کے لئے اپنے کئی کام نہ صرف جاری رکھے بلکہ کئی مسائل حل بھی کئے۔ تبھی اس دفعہ معززین نے جس میں تمہارے بھائی سردار اسفندیار بھی شامل تھے۔ نے مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس بار سجان کی بجائے فیضان کی حمایت کی جائے۔"

"جی کا کا"

"اب فیضان خان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کیونکہ اب تک اس حلقے سے صرف ہمارا ہی خاندان جیتتا آیا ہے تو کیوں نہ اس بار تمہارا نام سامنے لایا جائے۔ فیضان خان نے اب بڑے محاذ پہ لڑنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس میں ہم بھی اس کے ساتھ ہیں۔ سو ہمارے علاقے سے تم بالکل بہترین انتخاب ہو۔ اب بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟"

خان کا کانے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تو واقعی بات علاقے کی بہتری کی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔ لیکن چونکہ ٹکٹ فیضان صاحب کی پارٹی کا ہوگا تو یہ بات کلئیر کردوں میں کہ کسی قسم کا دباؤ کسی بھی کام میں، میں ہرگز قبول نہیں کروں گی۔" انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"بالکل، ہمیں خود بھی ذمہ دار اور مخلص لوگوں کی تلاش ہے۔ جو صرف عوام کے لئے کام کریں اپنے خاندان کے لئے نہیں" فیضان خان نے پہلی بار بات شروع کی۔

"میں تیار ہوں لیکن پھر بھی میں اپنا حتمی فیصلہ آپ کو کچھ دنوں تک بتاتی ہوں" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں تھیں۔

سب معززین نے بات ختم ہوتے ہی ان سے اجازت چاہی تھی

☆.....☆.....☆

عارفین کی آنکھ جلد ہی کھل گئی۔ بچے اور عرف ابھی تک سو رہے تھے۔ اس نے اٹھ کر عرف کے گال کو ہاتھ سے چھوا۔ وہ ٹھیک تھی۔ شاید دوا کے زیر اثر سو رہی تھی۔ وہ بچوں کو دیکھتا باہر آ گیا۔ بے بی کو اس نے نرسری میں رکھوا دیا تھا۔ کیونکہ فی الحال اسے بھی مکمل کیر کی ضرورت تھی۔ وہ باہر آیا تو بھابی اسی کی طرف آ رہی تھیں۔

"کیسی ہے سندرے؟" انہوں نے قریب آتے ہی پوچھا تھا۔

"اسے ہی دیکھنے جا رہا تھا" وہ زبردستی لبوں پہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا تھا۔

"تم دونوں کے درمیان سب کچھ سیٹ ہے ناں۔۔۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرا مطلب ہے اس لڑکی عرف کی وجہ سے تو۔۔۔؟"

"کم آن بھابی۔ عرف از آکیرنگ گرل۔۔۔ اور سندرے خود اسے اتنا پسند کرتی ہے۔ پھر وہ جانتی ہے سب کچھ ہمارے رشتے

کے بارے میں"

"پھر بھی عارفین بھائی۔ میں تو شک کڈ ہوں اتنی پیاری اور مکمل لائف کے باوجود تمہیں پڑی کیا اس دوسری شادی کی۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں میری زندگی مکمل تھی لیکن اب اور بھی مکمل ہے۔ انشاء اللہ اللہ مددگار ہے۔ یہ کوئی اتنی بھی بڑی بات نہیں۔ پھر خدا

گواہ ہے اس میں نہ تو میرا کوئی لالچ ہے نہ ہوس۔ بس جو اللہ کو منظور وہی بہترین ہوتا ہے۔ آپ پلیز ایسی باتیں عرف یا سندرے کے سامنے مت

کیجئے گا۔ ایک ہرٹ ہوگی اور دوسری خفا۔۔۔" اس نے جیسے ان سے درخواست کی تھی اور آئی سی یو کی جانب قدم بڑھا دئے تھے۔

"اللہ پاک اس فیملی کی خوشیاں برقرار رکھے آمین" ثروت نے کھلے دل سے ان سب کے لئے دعا کی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ دوسرا دن تھا۔ ابھی تک سندرے کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ثروت بچوں کو گھر کے گئیں تھیں۔ عارفین بھی چکر لگا آتا تھا ان کے

پاس۔ لیکن عرف مستقل سندرے کے پاس ہی رہی تھی۔

ابھی بھی وہ اس کے پاس بیٹھی مانیٹر پہ نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔ جب دھیرے سے کسی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ بری طرح

چوکی تھی۔

اس نے تیز نگاہ اپنے ہاتھ پہ ڈالی تھی۔ وہ سندرے کا ہاتھ تھا۔ اس کی گرفت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ

چھوٹ گیا تھا۔ عرف آنکھیں پھاڑے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھوٹے دیکھتی رہی۔ پھر ویسے ہی بے یقینی سے اس کے چہرے کی طرف

دیکھا۔ وہاں خوبصورت سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ لیکن آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ بے پایاں خوشی نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔ وہ اس کے

ہاتھ کو سیدھا کرتی تیزی سے باہر بھاگی۔ کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر ز اور نرس دوڑی چلی آئیں تھیں۔

"آپ باہر ویٹ کریں پلیز" انہوں نے عرف سے درخواست کی۔ وہ سر ہلاتی باہر چلی آئی۔ دل اور لب مسلسل دعا میں ہی

مصروف تھے۔

☆.....☆.....☆

سندرے کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ اب خطرے سے باہر تھی۔ گویا سب کی زندگی واپس لوٹ آئی تھی۔ عارفین تو کتنی ہی دیر اس کے قریب اس کے ہاتھ تھامے، یا تھوں پہ لب رکھے بیٹھا رہا۔۔

"بچے۔؟" کتنی ہی دیر غم آنکھوں سے سامنے بیٹھے عارفین کو دیکھنے کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہیں۔۔ عارفین اور فردان دونوں ثروت بھابی کے پاس ہیں۔ سدلیس عرف کے پاس ہے "عارفین نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

"عرف یہاں کیوں نہیں آئی؟

میں نے دیکھا تھا اسے لیکن پھر یاد نہیں۔ اسے بلائیں ناں "وہ کافی وقفہ کے کربات مکمل کر پار ہی تھی۔

"ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے سندرے۔ ابھی آرام کرو۔ گھر جا کر بات کریں گے۔ کہاناں وہ گھر میں ہے بے بی کے ساتھ۔"

"اچھا۔۔ پھر مجھے گھر جانا ہے عرف سے ملنا ہے"

"ضد مت کرو۔ تم ٹھیک ہو جاؤ پھر ایک ساتھ چلتے ہیں ناں۔ یا پھر شام کو میں لے آؤں گا انہیں۔۔ اب بس۔۔ ایک اور لفظ

نہیں۔ آرام کرو" اس نے پیار بھری دھمکی دی۔ سندرے اداسی سے مسکرائی اور پلکیں موند گئی۔

☆.....☆.....☆

شام کو وہ واقعی عرف کو وہاں لے آیا تھا۔ عرف نہ جانے کیوں اب اسے فیس نہیں کر پائی تھی۔ اس نے عارفین کو اشارہ کیا۔

عارفین نے آگے بڑھ کر سہارے سے سندرے کو بٹھا دیا۔ سندرے نے نرم گپکو سا بچہ اس کی گود میں رکھ دیا۔ بچہ جو عرف کی پناہ میں گہری

نیند میں تھا۔ احساس بدلتے ہی ذرا سا کسمسا یا پھر پرسکون ہو گیا اس کی حرکت پہ ان تینوں کے چہروں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔۔

"سدلیس کتن پیارا ہے نہ؟" سندرے نے اسے بے اختیار چومتے ہوئے کہا تھا۔ عرف کی آنکھ سے ایک آنسو چھلک پڑا۔ لیکن

اس نے تیزی سے آنکھیں صاف کر لیں۔

"کیسے پیارا نہ ہوتا سندرے کا بیٹا جو ہے" عرف نے اسے دیکھتے ہوئے محبت سے کہا۔

"اچھا ایک منٹ اسے مجھے دو اس کا چیک اپ کروانا تھا آج۔ تم دونوں باتیں کرو میں ابھی آیا "عارفین نے اچانک ہی اسے تکیے

کی ٹیک دے کر بے بی لیا اور باہر نکل گیا۔ عرف بھی مڑنے لگی تھی۔ جب سندرے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"عرف۔۔۔" عرف اس کی پکار پہ واپس مڑی

"کیا بات ہے؟ کچھ ہوا ہے کیا؟" وہ پریشان ہونے لگی تھی اب۔ عرف کی آنکھیں پھر بھرانے لگیں۔۔

"عرف" اور وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کے سسک دی۔۔

"تم بھت پیاری ہو سندرے۔۔ میں نے اور خان نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے معاف کر دو سندرے۔ میں چپ چاپ تم دونوں کی زندگی سے نکل جاؤں گی" اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے یہ لفظ کہے تھے۔ اور ایسا کرتے وقت اسے تیر سادل میں گرنا محسوس ہوا تھا۔۔

"عرف۔۔ تم کیا چاہتی ہو میں نہ بچتی۔۔ میں یونہی درد سے سر بٹختی مر جاتی"

"اللہ نہ کرے سندرے۔ تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو کہ میں ایسا کچھ چاہوں گی" عرف کو شدید صدمہ پہنچا تھا اس کی بات سے۔

"تو پھر اب ایسی باتیں کیوں عرف۔۔ اب تو تمہیں بھی قدرت نے جواز دے دیا۔ اگر تم نہ ہو تیں تو سوچو ہم دونوں کا کیا ہوتا۔

سدیس اور میں بچ پاتے۔ اس وقت عارفین کے گھر میں۔۔۔۔۔"

"خدا را عرف چپ کر جاؤ پلینز" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو دی تھی۔ سندرے نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

"ماں کو عرف۔۔ خان ہی نہیں تم بھی ان سے محبت کرتی ہو۔۔ میں نے خود تمہاری آنکھوں میں ان کی محبت کے جگنو چمکتے دیکھے ہیں۔

خود سوچو۔۔ خان کے دل میں اگر تمہاری چاہت ڈال بھی دی تھی رب نے تو پھر جب تک تم دونوں کی اس بارے میں بات بھی

نہیں ہوئی اللہ پاک نے رشتے کا سبب کیوں بنا دیا۔ پھر اس رات کے فوراً بعد حاجی کی موت۔ خان مجھے سب بتا چکے ہیں اور میں بھی ہر

بار سوچ چکی ہوں۔ رشتہ توڑنا تو بھت آسان ہے۔ رشتہ جوڑنا مشکل ہے۔ بنائے رکھنا مشکل ہے۔ لیکن بس ذرا سادل بڑا کر لو تو یہ سب

بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اور اللہ پاک کو تو یہی مشکل کام ہی پسند ہے نہ۔۔

تم، میں اور عارفین شاید ایک ہی ڈور سے باندھ دیے گئے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے اس طرح جوڑنے کی اگر منشاء ہے

رب کی ہے تو تم کون اور میں کون اس بات کو جھٹلانے کے۔" عرف اس بار کچھ نہ کہہ سکی۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"خان کو اپنا الو عرف۔ اپنی محبت کو مان لو۔۔ ورنہ کبھی واقعی دیر ہو جاتی ہے"

وہ تھک گئی تھی۔ اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔ عرف نے جلدی سے اسے لٹا دیا۔

"پتہ ہے میں امہات المؤمنین کے بارے میں جب بھی پڑھتی تھی تو حیران رہ جاتی تھی۔ کیسے محبت اور خلوص کے رشتے تھے۔ اور

یقیناً یہ سب بھی ہماری بھترین رہ نمائی ہے۔ آج اس سب کی گی تو کمی ہے۔ کہ ہر دوسرے گھر میں دو دو تین تین بیٹیاں اپنے گھر کی راہ تک

رہی ہیں۔ بھائی باپ پہ کسی بوجھ جیسی زندگی گزارنے پہ مجبور ہیں۔ ورنہ یہ حل بھترین ہے۔۔ مرد کے لئے ہی نہیں عورت کے لئے بھی۔

ورنہ سوچو مجھ اکیلی کو کون سنبھالتا۔۔

میں بھت لکی ہوں تم میری زندگی میں آئی اور میں بھت خوش ہوں۔۔ سچ میں "وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے محبت سے بولی تھی۔

عرف کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔

"جاؤ عرف۔۔ شام ہونے لگی ہے۔۔ ہمارے گھر میں محبتوں کی قدیل کبھی مت بجھنے دینا۔" اس نے جیسے سب کچھ اسے سوچتے ہوئے کیا تھا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔۔

"اے نیلی چادر" اس نے کھڑکی کے باہر نظر آتے نیلے آسمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
 "گواہ رہنا۔۔ سندرے کبھی اللہ پاک کے فیصلوں پہ اداس نہیں ہوتی۔ اسے اس کی سب نعمتوں پہ شکر ہے۔۔
 فخر ہے۔۔۔"

آسمان سے تم جھمی شروع ہوئی تھی۔ ساتھ میں ہی دھنک نے رنگ بکھیر دیے تھے۔ ساون کی بارش محبت دکھا رہی تھی۔ اس کی آنکھ سے شکر کا ایک آنسو ڈھلکا اور تینکے میں جذب ہو گیا

☆.....☆.....☆

وہ ہسپتال کے وسیع لان میں آ بیٹھی سس دیس کی ٹیسٹ رپورٹ دیکھ رہی تھی۔ سندرے کے کچھ ٹیسٹ تھے کل عارفین کو ان کے بارے میں ڈاکٹر سے بات کرنا تھی۔ تبھی وہ غائب تھا۔ رم جھم شروع ہو چکی تھی۔ وہ سدیس کو لے کر پارکنگ کی طرف آ گئی عارفین کی گاڑی لاک نہیں تھی سو وہ اندر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر میں ہی عارفین وہاں آ گیا تھا۔

"بارش دیکھ کے تمہارا خیال آیا۔ تو ڈھونڈتے ہوئے یہاں آ گیا۔ تم اندر آ جاتیں نہ" وہ اس کے لئے فکر مند تھا۔

"نہیں۔ مجھے اب گھر جانا ہے۔ تمہاری بات ہو گئی ڈاکٹر سے؟" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"نہیں ابھی وہ ایک آپریشن میں بڑی ہیں۔ کچھ دیر ہے۔ میں پھر تمہیں اتنی دیر تک گھر چھوڑ آتا ہوں" وہ کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا۔ عرف چونکی

"ارے نہیں۔۔ اس طرح تو تمہیں بھت ٹائم لگے گا۔ میں پھر یہیں ٹھیک ہوں"

وہ شرمندہ سی بولی۔

"اچھا۔ چلو میں تمہیں پھر کسی ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔ ایسے یہاں تمہیں پریشانی ہوگی میں پھر اور گاڑی میں آ جاؤں گا" اسے بھی وقت کی اہمیت کا احساس تھا۔

اس نے کسی کو فون ملا کے ہدایت دیں اور پھر گاڑی سے اتر کر اس کی طرف والی کھڑکی میں آٹھرا۔

"میں سندرے کے سونے تک یہاں رہوں گا۔ تمہیں ڈرتو نہیں لگے گا وہاں" وہ سندرے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے بھی پریشان تھا۔

نه جانے کیوں اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ چہرہ موڑ گئی۔

"نہیں۔ کا کا ہوں گے نہ دروازے پہ"

"پھر بھی فون آن رکھنا۔ مے بی مجھے دیر ہو جائے۔ ذرا سا بھی گھبراؤ تو مجھے بتانا فوراً۔" نیا گھر تھا۔ نئی جگہ۔ وہ اب بھی فکر مند

تھا اس کے لئے۔

تبھی ایک لڑکا ادھر آیا تھا۔ اس نے آتے ہی عارفین کو سیلیوٹ کیا۔ عارفین نے سر ہلا کے اسے کچھ ہدایات دیں اور جانے کا

اشارہ کیا۔

"اپنا خیال رکھنا عرف" عرف سے کہتے ہوئے بے دھیانی میں ہی اس نے ہاتھ کھڑکی میں رکھا تھا۔ جہاں پہلے سے عرف نے

ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ عرف کے ہاتھ پہ محبت کا لمس سا جاگا تھا۔ عارفین نے فوراً ہاتھ اٹھالیا تھا۔ عرف ہاتھ نہ ہٹا سکی تھی۔ وہ لمس جیسے اس کے

ساتھ چل دیا تھا۔ کچھ تھا جو اسے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر سے تمام تفصیلات ڈسکس کرنے کے بعد وہ سندرے کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں

تیرتے نیند کے ڈورے بتا رہے تھے ڈاکٹر اسے سکون آور دوا دے چکے تھے۔ کچھ دن اس کے لئے پرسکون نیند اس کی جلد صحت یابی کے بے

حد ضروری تھی۔ ورنہ آنکھ کھلتے ہی اسے بچوں اور عرف کی فکر ستانے لگتی تھی۔ جس سے اس کا سٹیمنٹا پھر لوڑ ہونے لگتا۔

"خان۔۔۔" اسے اندر آتا دیکھ کے وہ بھرپور مسکرائی۔ عارفین بھی مسکرا دیا۔

"خان کی جان" لب اس کی پیشانی پہ رکھتے ہوئے وہ بھی دل سے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ ابھی تک یہاں ہیں۔ گھر نہی گئے؟" اس کی آواز بھی نیند میں ڈوب رہی تھی۔

"تم سے ملے بنا کیسے چلا جاتا" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ اس کے سر کے گرد بازو پھیلا گیا۔

"لیک عرف اور سدیس؟" وہ فکر مند ہوئی

"انہیں گھر بھیج دیا ہے۔ کا کا ہیں نہ وہاں"

"پھر بھی خان۔ نئی جگہ ہے۔ عرف ڈر گئی تو"

"نہیں ڈرتی۔ بڑی ہو گئی ہے اب وہ" وہ اس کی فکر پہ مسکرایا

"نہیں خان۔ اس رات جب میں اس کے ساتھ تھی وہ کئی بار ڈر کے جاگ گئی تھی۔ اب تو شام گہری ہونے لگی ہے۔ پلیز آپ

جائیں" اس نے فکر مندی سے کہا۔ نیند اسے اپنی پناہ میں لینے لگی تھی وہ سر عارفین کے پہلو سے لگا گئی۔ مہک سی اسے اپنے حصار میں

لینے لگی تھی۔

"جائیں خان" وہ بڑائی۔ عارفین نے دھیرے دھیرے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ پھر اس کی گہری نیند محسوس کر کے آہستہ آہستہ اسے سیدھا لٹایا اور اسکی پیشانی پہ مہر محبت ثبت کرتا باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

"کیا میں عارفین کو چھوڑ سکتی ہوں"

سدیس کو سلانے کے بعد وہ باہر ٹیس پہ آگئی۔ رم جھم شروع تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ سامنے پھیلاتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا۔
ٹھنڈی کوئل بوندیں اس کا وجود بھگونے لگیں تھیں۔
اور وہ وہیں ٹھہرے ٹھہرے ماضی کا سفر طے کرنے لگی۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو عارفین ان کی زندگی میں آیا تھا۔ جب وہ اور حاجی بلکل تنہا تھے۔۔ پھر اس کی آمد کے کچھ دن بعد ہی سبحان لا الہ الاکاسے ڈھونڈ لینا۔۔

"اگر عارفین ہر جگہ میرے ساتھ نہ ہوتا تو کیا واقعی میں ایک بار پھر سبحان لا الہ کے ہاتھوں سے بچ نکل پاتی" سرخوہب خود فی میں ہلا۔
وہ گھر سے باہر جاتی صاف سڑک پہ اس کے بلکل قریب دھمک پیدا کرتے بوٹوں کی آواز۔۔
قبرستان میں ہو جانے والی اکثر سنسان شاموں میں بلکل اچانک اس کا وہاں موجود ہونا۔۔
سبحان کے آگے اس کے چوڑے وجود کا اسے پناہ دے دینا۔
وہ جب جب مشکل میں تھی۔

عارفین وہاں تھا۔۔۔

کیوں۔۔۔؟؟؟

اور اس دن صرف اس کی وجہ سے عارفین کا موت کے منہ تک چلے جانا۔۔۔

"میں تمہارے لئے شاید کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔

لیکن مر سکتا ہوں"

اس کا لہجہ سچائی سے پر تھا۔ وہ شک نہیں کر سکتی تھی۔

"تو کیا سب کچھ طے تھا۔"

وہ حیران سا ہاتھوں میں موجود پانی ہوا میں اچھال گئی۔ اور دوبارہ دونوں ہاتھ یکجا کر لئے۔

"نہیں۔۔ میں ان دونوں کی مکمل زندگی کو گرہن نہیں لگنے دوں گی۔ میں عارفین کو چھوڑ دوں گی۔۔ ہمیشہ کے لئے یہاں سے دور چلی جاؤں گی" اس نے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں گرا دیے تھے۔ یوں جیسے اس ایک دعوے کے ساتھ اس کی ہر سانس اس سے روٹھ گئی ہو۔ بے دم سا وجود لئے وہ گرل سے ٹیک لگا گئی۔۔

"عرف" نہ جانے عارفین کب گھر آیا تھا۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ اس کی آواز پہ وہ چوکی ضرور لیکن پلٹی نہیں۔ بارش کے پانی میں اس کے آنسو بھی شامل ہونے لگے۔۔

"میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں عرف۔ لیکن ایک بار پھر تم پہ یہ کلئیر بھی کرنا چاہتا ہوں کہ تم سے متعلق میرے احساسات بہت قدرتی اور صاف تھے۔ مجھے تم سے نہ کوئی لالچ تھا نہ کوئی ہوس۔ اور اس بات کا میرا اللہ گواہ ہے میں آج تک تمہیں کبھی بھی چھونے تک کی خواہش نہیں کی۔ تم میرے ساتھ ہو میرے لئے یہ کافی ہے۔ لیکن۔۔۔۔

"وہ شاید اس کے مڑنے کا منتظر تھا۔ لیکن وہ نہیں پلٹی۔ ویسے ہی کھڑی بے آواز روتی رہی۔

"لیکن اب میں چاہتا ہوں عرف۔ تم میری وجہ سے پریشان نہ ہو۔ مجھے تسلیم ہے ہمارا رشتہ صرف وقتی مجبوری تھی۔ اور تم چاہو تو راہیں جدا کر سکتی ہو۔۔ یقین کرو عرف۔۔ تم آج بھی میری دل کی چاہ ہو لیکن میں نہیں چاہتا اس چاہ سے تم صرف مجبوراً بندھی رہو۔۔ میں نے وکیل سے بات کر لی تھی جب وزیرستان جا رہا تھا۔ وہ کل ہی شاید کاغذات لے آئے۔ میں نہیں چاہتا میری یا سندرے کی محبت تمہیں کسی بھی طرح مجبور کرے عرف۔ تمہارا ہر فیصلہ ہی میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔" وہ کچھ دیر خاموش کھڑا اس کے جواب کا منتظر رہا تھا۔

"محبتوں کو زیادہ انتظار نہیں کرو اتنے عرف۔۔ ورنہ یہ بند روزن پہ دستک دیتی ہوا کی طرح پلٹ جاتی ہیں" سندرے کے الفاظ اس کے آس پاس فضا میں بکھرے تھے۔ وہ مڑی تھی۔ عارفین پلٹ چکا تھا۔

"تم مرد محبت کر لیتے ہو تو اسے محسوس کیوں نہیں کر پاتے عارفین" اس کی آنکھوں کی طرح اس کا لہجہ بھی بھگ رہا تھا۔ عارفین کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

وہ دو قدم آگے آئی تھی۔

"میرے دل کی خبر سندرے جان گئی تو تم کیوں نہیں عارفین۔۔۔

تم نے کیسے سوچ لیا کہ۔۔ مٹ توں کی اس اماں کو چھوڑ کر میں کہیں اور پناہ تلاش کر پاؤں گی" وہ مڑ نہ سکا۔ اس کی طرف پشت کئے اس کا دل جیسے اس کا ساتھ چھوڑنے کے درپے تھا۔

"مرد محبت کا ورد کر کے بھی ہمیشہ اظہار کے منتظر کیوں رہتے ہیں عارفین۔۔ کسی کا بکھرا وجود سمیٹ کیوں نہیں لیتے کہ اسے بھی محبت کی مضبوطی پہ یقین آ جائے۔۔ وہ بھی محبت پہ یقین کے آئے" اور اس نے بکھرے بکھرے انداز میں سر عارفین کی پشت سے ٹکا دیا

تھا۔ مدت سے بند بندھے آنسو آج راستہ پا گئے تھے۔ وہ ٹوٹ کے بکھری تو جیسے عارفین کی محبت نکھار سی گئی تھی۔ اور محبت اظہار کا یقین پا لے تو کامل ہی تو ہو جاتی ہے۔ عارفین نے بھی یہ نعمت پالی تھی۔ وہ دھیرے سے پلٹا تھا یوں کہ عرف کا سر اس کے شانوں سے ہوتا اس کے سینے پہ آگیا۔ اس نے عرف کے مہکتے بالوں پہ لب دھردے۔۔

رات نے پر پھیلائے تھے اور بارش تیز ہوئی تھی۔ عارفین نے دونوں ہاتھ بڑھا کے اس کا نازک وجود اپنے مضبوط حصار میں سمیٹ لیا تھا۔ محبت نازاں تھی۔۔



ایک سال بعد

"آج پشاور کا موسم بے حد خوشگوار تھی۔ گرمی جانے لگی ہے اور سردی سے پہلے ہی جیسے بہاری فضا پہ بجانے لگی تھی۔ روز سر شام ہونے والی بارش نے وقت سے پہلے کبل چادریں نکالنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اوپر سے ٹھنڈک ہوائیں اور سرسبز ہوتے پودے مزید سرشاری سی بھر دیتے تم من میں۔۔

آڈیٹوریم کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔ اوپر سے تینوں بچے شرارتیں کرتے اسے مزید ہلکان کر دیتے۔ "تم کیوں اوپر آگئیں یار۔ تم سب نیچے رہتے میں ابھی کام دیکھ کے آجاتی۔" عرف نے انہیں کھڑکی سے اوپر آتے دیکھا تو تیزی سے ان کی طرف آئی۔

"نہ نہ۔ میں تمہیں اکیلے نہیں چھوڑ سکتی۔ یہاں اتنے سارے مرد ہیں اور تم اکیلی عورت۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو ہمارا اکٹھا آنے کا فائدہ" اس کی بات پہ عرف کا قہوہ جاندار تھا۔ وہ چادر اور چادر دیواری کے اندر رہنے والی لڑکی ان معاملوں میں بے حد حساس تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب اس نے عارفین سے پشاور جا کر رہنے اور اپنے سکول کا کام اپنی نگرانی میں کروانے کی ضد کی تو سندھ نے ہی فیصلہ کیا کہ وہ سبھی وہاں جا کے رہ لی گے اور جب تک عرف کا سکول مکمل نہیں ہو جاتا اور اس کے رہنے کا بھی اچھا بندوبست نہیں ہو جاتا تب تک وہ وہیں اس کے ساتھ رہے گی اور اس کا خیال بھی رکھے گی۔ یہ آئیڈیا عرف کو بھی بے حد پسند آیا تھا لیکن عارفین کو کچھ اعتراض تھے۔ بہر حال چلی آخر بیویوں کی ہی تھی۔ وہ انہیں لے کے پشاور آ گیا تھا۔ داجی کے گھر میں ایک بار پھر عرف آئی تھی۔ اور سندیس کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔

عارفین بھت کم گھر آتا تھا۔ اور اس وقت میں سندھ نے واقعی ایک بڑی بھن کی طرح اس کا ساتھ دیا تھا۔ وہ اسے گھر کے کاموں سے دور رکھتی تھی۔ عرف تقریباً سارا کام گھر پہ ویڈیو کالز کے تھرو ہی کر لیتی تھی لیکن اگر اسے وہاں راؤنڈ کی ضرورت پڑتی تو سندھ بچوں کو ساتھ لئے اس کے ساتھ ہی جاتی اور سائٹ پہ بھی اسے اکیلے نہ چھوڑتی۔ عرف اس کا مخلص ساتھ پا کے واقعی بے حد خوش تھی۔ اس نے کبھی سنا تھا۔ بنوں کی عورتوں کے دل بھت بڑے ہوتے ہیں۔ اور اسے اس کی زندگی نے خود یہ بات دکھا دی تھی۔ وہ

سندرے کی بڑائی دل سے تسلیم کرتی تھی۔۔

آج بھی جب وہ کچھ پارٹس کے کلفائنل کرنے آئی تو وہ اس کے ساتھ تھی۔ اور اس کے اوپر آتے ہی جب وہ سندرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ پاگلوں کی طرح اوپر آگ۔

"سندرے تم نہ واقعی سندرہ ہو" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔ ایک سالہ سدیس ماں کے قریب جاتے ہی عرف کی طرف لپکا تھا اس نے بھی فوراً اسے تھام لیا تھا۔

"اور اس کپلو کو اب چلنے دیا کرو۔ ہر وقت اٹھایا نہ کرو پھر تمھاری سانس پھول جاتی ہے" سدیس کو پیار کرتے ہوئے اس نے سندرے کو ہدایت کی پھر باقی دونوں بچوں اور اسے ساتھ لئے اندر آ گئی۔

یہ ہال نما کمرہ تھا۔ بہت بڑا۔۔

گولائی میں بنا تھا۔۔ اور چھت کسی گنبد کی طرح آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"واؤ" سندرے بے اختیار بول اٹھی تھی۔

"اس کا ایک ایک خط میں نے سدیس کی ڈائری سے اس کی پسند کے مطابق رکھا ہے وہ بھی ایسا ہی سکول بنانا چاہتا تھا۔" عرف اسے لئے دوسری طرف سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔ یہ پرائمری سکول کا حصہ تھا۔ لان کافی بڑا اور کلاس رومز کے سامنے برآمدہ بھی کافی کشادہ تھا۔

"سچ کہوں تو سندرے اگر تمھارا اور عارفین ساتھ نہ ہوتا تو میں کبھی یہ خواب تعبیر نہ کر پاتی۔" اس نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ غیروں والی باتیں مجھ سے نہ کیا کرو پلیز۔ اور وہ دیکھو وہ جو سامنے صحن کے بالکل درمیان میں بڑا سا پتھر رکھا ہے نہ جس جگہ وہاں ایک بڑا سا خوبصورت گوار ضرور بنوانا ہائے مجھے اتنا پسند" وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ اور ہی بولے جارہی تھی۔ اور عرف جانتی تھی۔ کہ یہ سب بس بات بدلنے کے بہانے تھے۔ وہ اس کچھ اسے سوچ چکی تھی۔ جب سکول کی تعمیر میں اس کی تمام زمین بک جانے کے باوجود بھی رقم کم پڑ گئی تو سندرے نے اپنا جو تھوڑا سا حصہ ملا تھا وہ بھی اسے بخش دیا۔ بعد میں عارفین نے سب سنبھال لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی کوئل نے اسے سارے کاغذات بھجوائے تو اسے آسانی ہوئی اور کام تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔ اب تو عمارت تقریباً مکمل تھی۔ اس کا اور سدیس کا خواب تعبیر پانے والا تھا۔

اس کے بات بدلنے پہ وہ بھی خاموشی سے اس جگہ کا جائزہ لینے لگی جہاں سندرے نے اشارہ کیا تھا۔۔

☆.....☆.....☆

کول کی بھرپور کامیابی نے اسے مزید حوصلہ دیا تھا۔ وہ اب ڈری سہمی کول نہیں رہی تھی۔ ایک خود مختار، قابل اور پراعتماد خاتون کے طور پر سامنے آئی تھی۔ اس نے نہ صرف اپنے علاقے کے لئے بھت جلدی ترقیاتی پیکجز منوائے تھے بلکہ اپنے علاقے کی خواتین کے مسائل کو بھی نہ صرف ملکی بلکہ غیر ملکی میڈیا کے سامنے لے آئی تھی۔ علاقے کی عورتوں کو پہلی بار پڑھنے کا حق ملا اور پہلی بار ہی نہ صرف پہلے سے موجود بند سکول جہان کبھی سبحان خان کے جانور بندھے رہتے تھے یا شادی کی تقریبات ہوا کرتی تھیں اب ہر صبح وہاں سے پاک سر زمین کی آواز گونجا کرتی۔

علاقے کے قریب سے گزرنے والی نہر سے بھی اس نے اپنے علاقے کے لئے موگے منوائے تھے۔۔۔ اور صرف چھ ماہ کے اندر ہی پیداوار میں دس پندرہ فیصد اضافی ہوا تھا۔

عوام نے پہلی بار سکون کا سانس لیا تھا۔ کول اب عرف سے بھی مکمل رابطے میں تھی۔ اور اس کا کاز جان کر اسے بھی بے حد مسرت ہوئی تھی کیونکہ اسلام ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ مرنے والوں کے ساتھ مرجاؤ۔ بلکہ اسلام توقوت دیتا ہے۔ صبر رکھو اور اللہ کی راہ کے لئے خود کو وقف کر دو۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سب کچھ اللہ کے لئے ہے اور اسی کی طرف پلٹ جانا ہے۔۔۔

بے شک۔۔۔

☆.....☆.....☆

"یہ آرمی پبلک سکول کا وہی آڈیٹوریم ہے۔۔۔ خونی آڈیٹوریم۔۔۔"

ہاں شاید تاریخ میں اسے اسی نام سے یاد کیا جائے۔۔۔

یاد رکھا جائے۔۔۔

لیکن تاریخ گواہ رہے گی کہ اس آڈیٹوریم کو مرنے والوں کی قبر نہیں شہیدوں کے لہو سے جگمگانے والی جگہ بنا دیا تھا پاک قوم نے۔۔۔ اس دن کچھ انسانوں نے نہیں

بلکہ ساری پاک قوم نے اپنے بچوں کو کھویا تھا۔

اس دن کوئی بچہ جیسے گھر واپس نہیں آیا تھا۔

سلامت لوٹ آنے والوں کی ماؤں نے ان کے آنے کا شکر نہیں کیا تھا۔۔۔

لیکن

ان شہید معصوم بچوں کو روتی رہی تھیں۔۔۔

اور تاریخ یہ بھی لکھے گی کہ اس قدر دکھ کے باوجود، بھی پاک قوم کی ماؤں بیٹیوں تک کا حوصلہ اور بلند ہو گیا تھا۔۔۔

انہوں نے شہداء کے خواب چرائے تھے اور ان کی تعبیر ڈھونڈ لی تھی۔۔

ان ماوؤں بیٹیوں بہنوں نے ثابت کیا ہے کہ دشمن ہمیں جب جب سامنے سے وار کر کے آزمائے گا تو منہ کی کھائے گا۔۔

اور جب جب چھپ کریں گھائل وار کرے تب بھی وہ ہمارے حوصلے دیکھے گا۔۔ ناکام و نامراد ٹھہرے گا۔۔

اور آج اس جگہ جہاں میرے معصوم بھائی نے اپنی آنکھیں ایک خواب کو سوچتے پنتے بند کیں تھیں۔ میں فخر سے اسے نوید دیتی

ہوں۔۔ اس کا خواب تعبیر پا چکا ہے۔ میں اپنے سکول اور کالج کو شہداء اے پی ایس پشاور کے نام کرتی ہوں۔۔۔ "سارا ہال تالیوں سے

گونج اٹھا تھا۔ اور ڈاؤس کے اس پار کھڑی عرف کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ سامنے ہی فرسٹ رو میں بیٹھے عارفین کی آنکھیں جلنے لگیں تھیں اور

سندرے سدیوں کو خود میں بھیج کر رو دی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم مجھے سن رہے ہو سدیوں۔۔ کیونکہ شہید کبھی نہیں مرتا۔۔ تبھی تو دیکھو تمہارا خواب بھی پورا ہوا۔

من تو شدم تو من شدی

دیکھو میں نے حساب کتاب چھوڑ دئے۔ رونا چھوڑ دیا۔ تم ہی تم رہ گئے۔ تمہاری بہن نے تمہارا خواب تھام لیا سدیوں۔۔ اور

آج۔۔۔ دیکھو پوری قوم تم سب کے ساتھ کھڑی ہے۔ تم فخر ہو ہمارا۔۔

ہمارے سارے بچے ہمارا فخر ہیں۔۔

we are proud of you...

وہ نم آنکھوں سے ڈاؤس سے ہٹ گئی۔ تالیوں کی گونج بڑھتی جا رہی تھی۔ ہال میں موجود سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

عارفین نے آگے بڑھ کر اسے سیڑھیاں اترنے میں مدد دی تھی اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ سامنے کھڑے سب لوگ اسے سیلوٹ کر رہے تھے۔

اور ان میں نم آنکھوں سے مسکراتے سندرے اور ان کے بچے سب سے آگے تھے۔۔

موت بے شک اٹل ہے۔۔

لیکن زندگی بھی اپنے آپ میں مکمل ہے۔۔

اگر ہم کوشش کریں تو۔۔



ختم شد